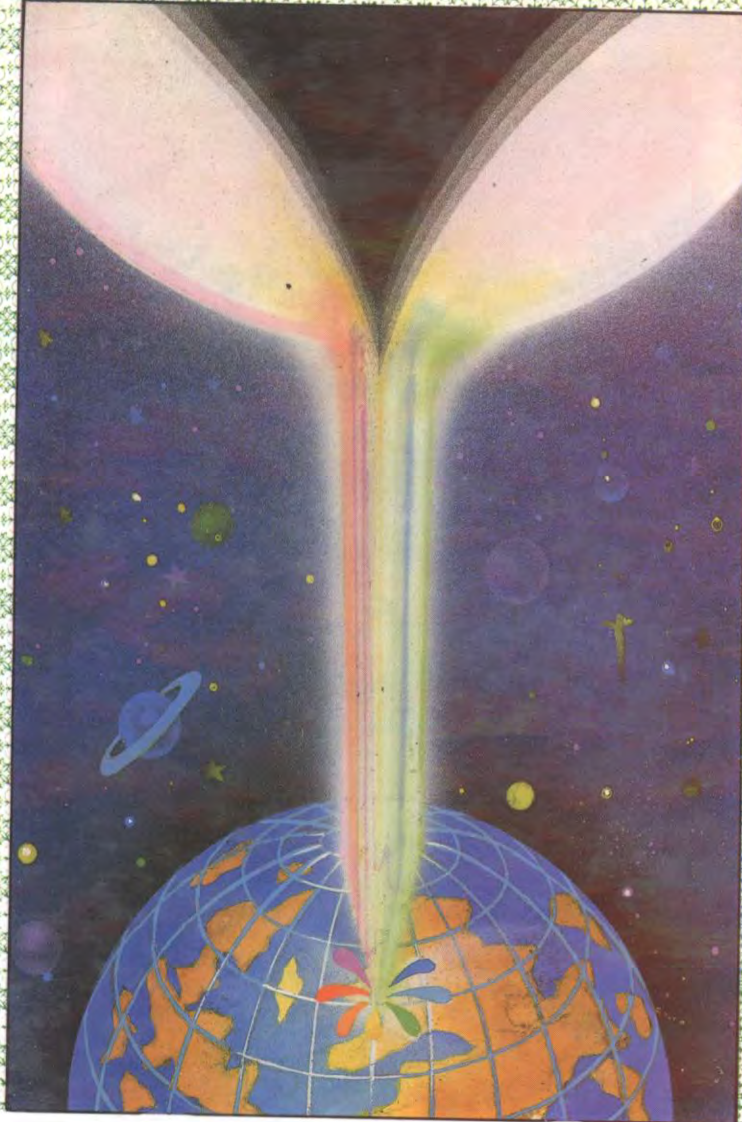


مقاماتِ سلوک

مُصنّف:

ڈاکٹر محمّد عبدُالرّحمٰن عمیرہ المصری

ایک جامع اور مکمل نظام زندگی ہونے کی حیثیت سے اسلام کا خطاب روح اور جسم دونوں سے ہے۔ یہاں ظاہر و باطن کے تقاضے ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہیں بلکہ مربوط و منسلک ہیں۔ اور یہی بات اسے دنیا کے دیگر نظام ہائے زندگی اور مذاہب سے ممتاز کر دیتی ہے۔ اسلام کا مزاج ایسے ظواہر کو قبول ہی نہیں کرتا جن کے باطن کا رخ ایک خاص جہت پر نہ ہو اور یہ جہت ہے اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی۔

جب اعمال میں وہ روح کار فرما ہو جاتی ہے جو ان کے رخ کو اللہ کی طرف رکھتی ہے تو عبد مخلص پر رفتہ رفتہ اپنے بے نشان اور وراء الوراء معبود کے عرفان کے راستے کھلنے لگتے ہیں۔ اور وہ اپنے باطن میں بہت سے تجربات و اکتشافات سے آشنا ہوتا ہے۔ ان مراحل کی کشود میں بعض اوقات یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ کوئی رہ نورد شوق ان کیفیات اور مشاہدات میں یوں غرق ہو جائے کہ اپنا اور اپنی منزل مقصود دونوں کا سراغ گم کر بیٹھے۔

ایسے میں تصوف ایک بھرپور نظام تربیت کی صورت میں سامنے آتا ہے اور قدم قدم پر منزل یار کے مسافر کا ہاتھ تھامتا ہے اور اسے دین کی صحیح ترین تعبیر سے آشنا کرتا ہے۔ تصوف کا کمال یہ ہے کہ اس نے محض ظواہر پرستی اور حرفیت شناسی کو دین نہیں بننے دیا اور ساتھ ہی روحانیت کے شوق فراواں میں خدا کے مخلص بندوں کو راہب بننے سے بھی بچالیا۔

زیر نظر کتاب کا مطالعہ اس حقیقت کے ادراک کیلئے کافی ہے کہ صوفیاء کی تعلیمات روحانی تربیت کے لئے جو اسالیب متعین کرتی ہیں۔ انہی میں تمام مسلم معاشرہ بلکہ پوری انسانیت کے لئے بھلائی مضمر ہے۔ روحانیت کے اس پاکیزہ سفر میں سالک راہ کو جن احوال و مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔ قرآن وحدیث


بسم الله الرحمن الرحيم

مقاماتِ سلوک

قرآن وسُنّت اور اکابر صوفیاء کے اقوال سے مُزیّن مُفید و مُؤثر کتاب، تصوّف کی تعریف، سالکِ راہ کو پیش آنے والے احوال ومقامات کی تشریح سلیس اور سادہ انداز میں۔

مُصنّف:

ڈاکٹر محمّد عبدالرحمٰن عمیرۃ المصری

مترجم

محمّد اکرم الازہری

(فاضل بھیرہ شریف)

کتاب ----- مقامات سلوک
اردو ترجمہ "التصوف الاسلامی"
مصنف ------ ڈاکٹر عبدالرحمن عمیرہ المصری
مترجم ------ محمد اکرم الازہری (فاضل بھیرہ شریف)
نظر ثانی ------ محمد رضاءالدین صدیقی
زیر اہتمام ------ نجابت علی تارڑ
ناشر ------ زاویہ
ہدیہ ------ Rs 54.00

مراکز ترسیل

☆ ضیاء القرآن پبلیکیشنز --- دربار روڈ لاہور
☆ المعارف ---------- دربار روڈ لاہور
☆ مکتبہ مجاہد ---------- بھیرہ شریف ضلع سرگودھا

زاویہ ٹریڈرز C/8 دربار مارکیٹ لاہور

فون: 7113553 - فیکس: 5116911

انتساب

حضرت ضیاء الامت

جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری

کے نام

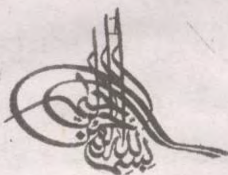
احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

عکس

تصوف

احوال و مقامات

تصوف



اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

صوفیائے کرام نے مختلف ادوار میں تصوف کے متعلق گفتگو فرمائی اور اس کی مختلف تعریفات بیان فرما کر اس کو مختلف سلاسل میں تقسیم کیا ہے۔ یہ سلاسل ذکر و اذکار کے طریقوں میں تو مختلف ہیں لیکن مقاصد و اہداف میں متفق ہیں۔ یہ کثیر تعریفات جو صوفیائے کرام نے کی ہیں ان میں کوئی ایک تعریف تنہا حقیقت تصوف کی مکمل نشاندہی نہیں کرتی البتہ مجموعی طور پر یہ تعریفات حقیقت تصوف اور اس کے اغراض و مقاصد پر دلالت کرتی ہیں

لفظ صوفی کے بارے میں علماء و محققین کا اختلاف ہے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ یہ لفظ صحابہ کرام اور تابعین کے دور کے بعد دوسری صدی ہجری میں مشہور

ہوا جبکہ دوسرے گروہ کا موقف ہے کہ یہ لفظ قبل از اسلام زمانہ جاہلیت میں بھی معروف تھا۔

ان تمام تر اختلافات کے باوجود تصوف کی کتب معتبرہ اس بات پر متفق ہیں کہ سب سے پہلے جو شخص لفظ صوفی سے مشہور ہوا وہ ابو ہاشم کوفی (متوفی ۱۵۰ھ) ہیں یہ کوفہ کے رہنے والے عربی النسل تھے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ شام میں گذارا

جس طرح علماء نے لفظ صوفی کی تاریخی حیثیت کے متعلق اختلاف کیا ہے اسی طرح اس کے عربی الاصل ہونے میں اختلاف ہے اس بارے میں سب سے قدیم رائے البیرونی کی ہے وہ کہتے ہیں "یہ یونانی لفظ "سوف" کی تحریف شدہ شکل ہے جس کا معنیٰ حکمت ہے اسی سے فیلسوف کا لفظ نکلا ہے جس کا معنی محب الحکمۃ (حکمت سے پیار کرنیوالا) ہے پس اسلام میں جن لوگوں کا رجحان حکمت و معرفت کی طرف ہوا۔ انہیں صوفی کہا جانے لگا۔ لیکن مشہور مستشرق نویلڈک نے اس قول کا رد کیا ہے کہ یونانی حرف "س" کا ترجمہ ہمیشہ عربی میں حرف "س" کے ساتھ ہی کیا جاتا ہے نہ کہ "ص" کے ساتھ اگر لفظ صوفی یونانی زبان سے لیا جاتا تو "س" کے ساتھ "سوفی" لکھا جاتا۔

ڈاکٹر عبدالحلیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں علماء کا ایک گروہ البیرونی کی اس بات سے متفق ہے کہ تصوف کا لفظ یونانی کلمہ "صوفیا" سے نکلا ہے فون ھاؤ مستشرق نے اسی رائے کو اختیار کیا اور بہت سے محققین کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے محمد لطفی جمعہ مرحوم نے بھی اسی قول کی تائید کی ہے۔

لیکن ڈاکٹر ذکی مبارک مرحوم نے اس رائے کی سخت مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ علماء عرب کی غیر عربی الفاظ پر گہری نظر تھی۔ اگر یہ لفظ غیر عربی ہوتا تو اسے اپنی مؤلفات میں ذکر کر دیتے پھر "سوفیاء" کلمہ کا معنیٰ یونانی زبان میں حکمت ہے قدیم یونانیوں کے نزدیک علوم طبیعہ میں فلسفہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اور ان کے بہت سے فلاسفی طبیب تھے عربوں نے طب کا ترجمہ "حکمت" کیا ہے اور حکیم کا کلمہ طبیب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اسی طرح فلسفہ کو

بھی حکمت کا نام دیا گیا ہے عرب عام طور پر تاریخ حکماء سے تاریخ فلاسفہ مراد لیتے ہیں اور لفظ سوفیاء سے بھی انہوں نے طب اور فلسفہ کا معنی مراد لیا ہے جہاں تک روحانی حکمت کا تعلق ہے تو یہ بات بعید ہے کہ وہ یہ معنی یونانیوں سے لیتے جن کو وہ بتوں کی پوجا کرنے والے شمار کرتے تھے

لفظ "صوفی" کے بارے میں البیرونی کی رائے کے علاوہ اور بھی بہت سی آراء زمانۂ قدیم سے موجود ہیں' رسالہ قشیریہ کے مصنف ان آراء کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کا یہ قول ہے کہ لفظ صوفی صوف سے نکلا ہے جس کا معنی اون ہے اور عربی زبان میں تصوف کا معنی اونی لباس پہننا ہے از روئے لغت تو یہ رائے قرین قیاس ہے لیکن تمام صوفیاء اونی لباس نہیں پہنتے تھے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ اصحابِ صفہ کی طرف منسوب ہے لیکن صفہ سے نسبت "صفی" ہے نہ کہ صوفی

بعض نے کہا ہے کہ صفا سے مشتق ہے لیکن یہ بات قوانینِ صرف کے موافق نہیں اور بعض نے کہا کہ یہ "صف" سے مشتق ہے کیونکہ صوفیاء کرام ہمیشہ صفِ اول میں ہوتے ہیں یہ مفہوم بھی صحیح ہے لیکن قواعدِ لغت اس کی تائید نہیں کرتے

آخر میں مصنف رسالہ قشریہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ صوفیاء کرام کے ساتھ خاص ہوگیا ہے ایک آدمی کو صوفی اور جماعت کو صوفیاء کہتے ہیں اور جو شخص ان کے ساتھ ملے اس کو متصوف اور جماعت کو متصوفین کہتے ہیں ڈاکٹر ذکی مبارک لکھتے ہیں کہ ممکن ہے لفظ سوفیاء بمعنیٰ روحانی حکمت قدیم عربی کے لفظ "صوف" سے لیا گیا ہو کیونکہ عربوں کے نزدیک لفظ صوف بہت قدیم ہے اور یہ مسیحی مذہب کی بنیاد تھا۔ اور صوف (اون) کا پہننا زہد کی علامت متصور ہوتا تھا۔ اور یہ بعید نہیں ہے کہ کلمہ صوف عربی زبان سے یونانی زبان میں منتقل ہوگیا ہو اس رائے کو ابونصر سراج طوسی صاحبِ کتاب اللمع شیخ الاسلام زکریا انصاری

ابن تیمیہ، ابن خلدون اور مستشرق مرجیلوث وغیرہ نے اختیار کیا ہے

دور جدید کے محققین میں سے ڈاکٹر عبدالحلیم محمود اور ڈاکٹر مصطفیٰ حلمی کا خیال ہے کہ یہ کلمہ "تصوف" صوف سے مشتق ہے یہاں ہم صاحب کتاب اللمع کا یہ قول ذکر کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام کو ان کے ظاہری لباس (صوف) کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ان کا یہ اسم ان کے تمام معارف وعلوم، اعمال واخلاق اور احوال پر دلالت کرتا ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کا ذکر کیا ہے تو ان کو انکے ظاہری لباس کی طرف منسوب کر دیا اور ارشاد فرمایا اذقال الحواریون یہ لوگ سفید لباس پہنتے تھے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کے دوسرے مختلف احوال واعمال جن کے ساتھ وہ متصف تھے کی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔ ان کا لباس پہننا انبیاء کرام اور صدیقین کی عادات میں سے ہے مساکین اور عبادت گذاروں کا شعار ہے بعض نے کہا کہ اصحاب عیسیٰ کو "حوارین" اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ وہ دھوبی تھے۔

بہرحال ان تمام ذکر کردہ کلمات کا تصوف سے گہرا تعلق ہے مثلاً" لفظ "صفا" اس کا تصوف سے تعلق ظاہر ہے کیونکہ تصوف ظاہری وباطنی صفائی کا نام ہے

(۲): دوسرا اشتقاق

"صف": صوفیاء کرام جہاد اکبر اور جہاد اصغر کے ہر میدان میں ہمیشہ صفِ اول میں ہوتے تھے

(۳): صفہ

یہ مسجد نبوی شریف کا وہ چبوترہ ہے جس میں وہ صحابہ کرام مقیم تھے جنہوں نے اپنے آپ کو جہاد فی سبیل اللہ اور علم کے لئے وقف کیا ہوا تھا امام طوسی اہل صفہ کے بارے میں فرماتے ہیں "یہ تین سو سے زائد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عربی تھے جن کا کوئی تجارت اور کاروبار نہیں تھا۔

ان کا کھانا پینا اور سونا مسجد میں ہی ہوتا تھا" ۔ نبی کریم ﷺ ان کے ساتھ خصوصی انس کا اظہار فرماتے ان کے ساتھ تشریف فرما ہوتے، کھاتے پیتے، اور لوگوں کو انکی تعظیم کیلئے ابھارتے تھے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے کئی مقامات پر ان لوگوں کا ذکر کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (272:2)

ترجمہ : ان فقیروں کیلئے جو راہ خدا میں روکے گئے (کنز الایمان)

اور ارشاد فرمایا

لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ

ترجمہ : دور نہ کروا نہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں ۔

(کنز الایمان

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ

اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں

(کنز الایمان)

اور حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل صفہ کو دیکھا کہ وہ کپڑے کی کمی کی وجہ سے اپنے جسموں کو چھپانے کیلئے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا۔ اور باقی تلاوت سن کر رو رہے تھے (الحدیث) اور صفہ ایک خوبصورت صفت ہے

اور سوفیاء کا لفظ یونانی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ غیب پر بطریقہ خاص معرفت حاصل کی جائے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

تصوف کے متعلق صوفیاء کرام کی آراء

تصوف کے متعلق اگر صوفیاء کرام کی آراء کو یہاں تفصیلاً بیان کیا جائے تو بحث طویل ہو جائے گی لہٰذا اختصاراً" چند اقوال کے ذکر پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے جن سے تصوف کی حقیقت واضح ہو جائے۔

بعض صوفیاء کرام کے نزدیک تصوف الہام اور بصیرت کا نام ہے اور بعض کے نزدیک علم الٰہی اور علم لدنی ہی تصوف ہے۔

امام طوسی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی بزرگ سے تصوف کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے تین جوابات دیے

(۱) شرطِ علم: اس سے مراد کدورتوں سے تصفیہ قلوب، مخلوق کے ساتھ حسن سلوک اور شریعت میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنا ہے

(۲) زبان حقیقت: اس سے مراد راہِ خدا میں سب کچھ لٹا دینا خواہشاتِ نفسانی سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور خالقِ کائنات پر مکمل اعتماد کرنا ہے

(۳) زبانِ حق: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی عنایات سے ان لوگوں کو ان کی صفات میں پاکیزگی عطا کرتا ہے اور پھر ان کو ان کی صفات سے مصفیٰ کر دیتا ہے اسی وجہ سے ان کا نام صوفیاء رکھا گیا۔

امام ابوبکر قسطانی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ تصوف صفائے قلبی اور مشاہدۂ حق سے عبارت ہے امام شعرانی کے نزدیک تصوف احکامِ شرعیہ پر عمل کا نچوڑ ہے جبکہ یہ عمل ریاکاری اور خواہشاتِ نفسانیہ سے خالی ہو

امام شبلی رحمتہ اللہ سے تصوف کے بارے میں سوال کیا گیا جو کہ جلیل القدر صوفیاء کرام میں سے تھے فاس میں پیدا ہوئے اور بغداد شریف میں بقیہ

زندگی گذار دی۔ آپ سے پوچھا گیا کہ تصوف کی ابتداء اور انتہاء کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی ابتداء اللہ کی معرفت اور اس کی انتہاء توحید ہے

حقیقتاً تمام تعریفات کا لب لباب وہی ہے جس کی طرف امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا ہے اور یہی تمام تعلیمات اسلامیہ کا مرکز و محور ہے حدیث پاک میں ہے کہ ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری آواز میں تو وہ سوز نہیں جو آپکی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز میں ہے مگر میں گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس اعرابی نے نبی کریم ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بڑے خشوع و تضرع کے ساتھ خدا کی بارگارہ میں دعا کرتے ہوئے سنا تھا۔ لیکن خود وہ اعرابی اس پر قادر نہیں تھا۔ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا مقصد بھی اس رب کو راضی کرنا ہے جس کی توحید کا اقرار تم نے کیا ہے۔

بس تمام صوفیاء عظام بھی توحید کے متعلق ہی گفتگو فرماتے ہیں اگرچہ ان کی عبارات اور طریقوں میں قدرے اختلاف ہے لیکن مقصود سب کا اللہ کی رضا ہی ہے

عِبَارَاتُهُمْ شَتّٰی وَحُسْنُکَ وَاحِد
وَکُلٌّ اِلٰی ذَاکَ الْجَمَالِ یُشِیْرُ

"ان کی عبارات مختلف ہیں اور تیرا حسن سرمدی یکتا ہے اور ان میں سے ہر ایک اسی جمال جہاں آراء کی طرف اشارہ کر رہا ہے"

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود فرماتے ہیں کہ البیرونی نے بڑے بڑے ادیان کی امتیازی خصوصیات کو بڑے حسین انداز میں بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ موجودہ نصرانیت کی امتیازی خصوصیت تثلیث ہے جو تثلیث پر ایمان نہیں لاتا اسے مسیحی شمار نہیں کیا جاتا اور یہودیت کی خصوصیت یوم سبت (ہفتے کا دن) کا

اہتمام ہے جو اس پر ایمان نہ رکھے وہ دائرۂ یہودیت سے خارج متصور ہوتا ہے ہندی عقائد میں عقیدہ تناسخ کو امتیازی حیثیت حاصل ہے جو اس پر عدم اعتقاد رکھے گا وہ ہندو نہیں ہے اور اسی طرح مذہبِ اسلام کی امتیازی خصوصیت توحید ہے

امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک تصوف وہ نور ہے جو صوفیائے کرام کے دل میں اس وقت اترتا ہے جب ان کے دل قرآن وسنت سے مستنیر ہوتے ہیں قرآن وسنت پر عمل کرنے سے قلوب واذہان پر وہ اسرار ورموز اور حقائق آشکارا ہوتے ہیں جن کو زبان بیان کرنے سے عاجز ہے

صوفیائے کرام کا طریق کار

صوفیائے کرام کا طریقہ کار کتاب و سنت کے احکام اور انبیاء و صالحین کے اخلاق پر مبنی ہے اور یہ طریقہ کار اسی وقت مذموم ہوتا ہے جب یہ صریح قرآن و سنت یا اجماع کے مخالف ہو۔

صوفیائے کرام کے نزدیک طریقِ تصوف وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ (الزاریات:50)

ترجمہ: تو تم اللہ کی طرف بھاگو۔ (کنز الایمان)

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (العنکبوت:26)

ترجمہ: میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں وہی مجھے ہدایت دے گا

مرید وہ ہے جو طریقہ تصوف کو اختیار کرے یا رب کو پانے کیلئے سفر کرے وہ قدم بقدم مرحلہ بمرحلہ، مقام بمقام اپنے رب تک پہنچ جائے گا۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس منزل کی ابتداء مکاشفات اور مشاہدات سے ہوتی ہے اور پھر منازل طے کرتے کرتے اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں کہ حالت بیداری میں فرشتوں اور ارواح انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کی آوازیں سنتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں اور پھر صور اور امثال کے مشاہدہ سے ترقی کرتے کرتے ایسے درجات کو پا لیتے ہیں جن کے بیان سے زبان قاصر ہے لیکن یہ منزل جلد اور باآسانی حاصل ہونے والی نہیں کہ ہر کوئی

ان مقامات کو پالے بلکہ یہ منزل مشکلات و مصائب سے بھرپور اور دشوار گذار ہے۔ مصائب کے ساتھ ساتھ اس راہ میں سالک کو شدید قسم کے دشمنوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے سالک کو ارادت و عبادت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ رغبت آرزوئے عمل اور جہاد اکبر میں مصروف رہے جس طرح کہ فرمان رسول ﷺ ہے

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ (متفق علیہ)

ترجمہ: ہم نے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع کیا

شیطان، نفس، خواہشِ نفسانی یہ تمام سالک کے دشمن ہیں یہ تمام کے تمام فتنے اور گمراہی کا سبب ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مقصد تک کیسے پہنچ سکتے ہیں اور وہ کونسی کشتی ہے جو ہم کو ساحل مراد تک پہنچا سکتی ہے کیا یہ ممکن ہے کہ ہم عقلی گھوڑے پر سوار ہو کر عقلی نتائج اور تحقیقات کے ذریعے اس کو پا سکتے ہیں یا علم کے راستے سے اس تک پہنچیں۔

یا کہیں ایسا تو نہیں کہ تصوف کی منزل مشکل اور کٹھن ہے کہ نہ تو عقل اس کے دروازے پر پہنچ سکتی ہے اور نہ ہی علم اس کے دروازے پر دستک دے سکتا ہے تو پھر کیا ایسا ممکن ہے کہ ہم روحانی قوت کے ذریعے اس منزل تک پہنچ جائیں اگر ہمیں روحانی قوت کے ذریعہ بحرِ تصوف کی گہرائیوں تک رسائی نہیں ہو سکتی تو کیا یہاں کوئی اور بھی وسیلہ ہے جو اس کیلئے ممد و معاون ہو سکے؟

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اس منزل مراد کو پانے کا طریقہ ایمان اور تقویٰ ہے" ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ترجمہ: اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے (القرآن)

وہ اس آیئہ کریمہ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ "لفتحنا علیھم برکات" کا معنی یہ ہے کہ ہم انہیں انوار ملکوت واسرار جبروت اور علوی وسفلی علوم کے متعلق آگاہ کرتے ہیں

نیز ارشاد خداوندی ہے

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا" وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

ترجمہ: اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کیلئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔ (کنزالایمان)

امام ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک رزق کی دو قسمیں ہیں

(۱) روحانی (۲) جسمانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرہ:282)

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے (کنزالایمان

اس آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وہ علوم سکھائے گا جو تم نہیں جانتے پس ایمان اور تقویٰ ہی اس منزل مقصود کا راستہ اور زینہ ہے جس کے ذریعے سالک اپنی منزل تک پہنچ سکتا ہے اس کی مؤید قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ ہے ارشاد ربانی ہے

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس:62)

ترجمہ: سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم (کنزالایمان)

ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کی رائے کے بعد ہم حکیم ترمذی" کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تاکہ ان کی رائے معلوم ہو سکے وہ فرماتے ہیں کہ یہ منزل نظرو فکر اور عقل کے ذریعے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ تو وہ نور ہے جو قرآن وسنت کے اتباع کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اس لیے اس کا علم یقینی ہے نہ کہ ظنی و تخمینی۔ اس لیے معلوم ہوا کہ یہ منزل نہ تو فکر و عقل سے اور نہ ہی مطالعہ کتب

اور ان کے حفظ سے حاصل کی جا سکتی ہے بلکہ عبادت، سلوک، ترک معاصی اور اتباع قرآن و سنت سے اس کے دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جو تمام معاملات میں اسے راہنمائی دیتا ہے یہ تقویٰ اور ایمان کا نور ہے اور جب تک بندہ قرآن و سنت کے اوامر کی پیروی کرتا ہے اور اس کے نواہی سے اجتناب کرتا ہے تو اس کا دل نور سے بھرا رہتا ہے اور وہ سراپا نور بن جاتا ہے اور یہ نور ہی اکثر معارفِ ربانیہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے جس طرح امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے "جب بندے کا دل نور سے بھر جاتا ہے تو بندے اور خدا کے درمیان تمام حجابات ہٹ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو علم لدنی عطا فرماتا ہے"

امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس منزل تک پہنچنے کے دو ذرائع بتائے ہیں

(۱) جذب الٰہی (اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات) (۲) بیعت شیخ۔

کسی شیخ کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دینا تاکہ وہ اسے سلوک کی منازل طے کرائے

جو شخص ان دونوں راستوں میں سے کسی ایک کو اختیار نہیں کرتا تو اس کے لئے اس منزل کو پانا محال ہے۔

پہلا طریقہ: جذب الٰہی کا طریقہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جذبات الٰہی میں سے ایک جذبہ، جن و انس کے عمل کے برابر ہے

دوسرا طریقہ: شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے تاکہ مرید اپنے شیخ کے سلسلہ سے منسلک ہو جائے اور اس کا تعلق اس طرح ہو جائے جس طرح لوہے کی زنجیر کا ایک حلقہ ہوتا ہے جب ایک حلقے کو حرکت دی جائے تو ساری زنجیر متحرک ہو جاتی ہے ہر ولی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان وہ تعلق ہے جو زنجیر کا اپنے حلقوں سے۔ بخلاف اس شخص کے جو بلا مرشد ہو وہ ٹوٹی ہوئی زنجیر کی طرح ہوتا ہے اگر کوئی مشکل آن پڑے تو وہ زنجیر اسے

عدم ارتباط کی وجہ سے اسے کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ اسی تعلق کے بارے میں ڈاکٹر عبدالحلیم محمود فرماتے ہیں کہ یہ روحانی تاثیر تصوف کی بنیادی شرط ہے اور یہ شیخ کے واسطہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اسی وجہ سے تصوف اسلامی میں بہت طرق اور سلاسل موجود ہیں دراصل ہر سلسلہ اس روحانی تاثیر پر قائم ہوتا ہے جو مرید کو اپنے شیخ سے حاصل ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ یہی مرید آئندہ شیخِ کامل بن کر دوسروں کو روحانی فیض پہنچائے

امام شعرانی کی رائے شیخ سہروردی سے ملتی ہے کیونکہ شیخ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام میں بعض ایسے ہیں جو محنت اور کوشش سے منازلِ سلوک طے کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جن کو رب کی خاص عنایات سے بغیر محنت کے یہ مقام ملتا ہے اور یہ حال محبوبین کا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر محنت کے اپنی عنایات اور نوازشات سے نوازتا ہے اور دوسرا طریقہ مریدین کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع اور محنت سے مقام حاصل ہوتا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت: 69)

اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے (کنزالایمان)

یعنی اللہ تعالیٰ انہیں مختلف قسم کی ریاضتوں اور عبادتوں سے گذار کر بلند مقام سے نوازتا ہے اور یہ حال اس سالک کا ہے جو محب اور مرید ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دونوں طریقوں کو جامع ہے ارشاد رب جل وعلیٰ ہے

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۔

ترجمہ: اللہ اپنے قرب کیلئے چن لیتا ہے جسے چاہے اور اپنی طرف راہ دیتا ہے اسے جو اس کی بارگاہ کی طرف رجوع کرے (القرآن)

قرآن اور تصوف

بعض افراد کی رائے ہے کہ تصوف قرآن میں موجود نہیں اگر یہ بات مبنی بر حقیقت ہے تو پھر تصوف کا اسلام سے دور کا واسطہ نہیں اور نہ ہی اس کے اصول اور مبادی اس کے ساتھ متفق ہیں اس بنا پر تصوف اسلامی کا تعلق قدیم یونانی فلاسفہ کے افکار اور ہندی افکار کی ترقی یافتہ شکل ہے بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ مشہور مستشرق کریمر بڑی بے باکی سے کہتا ہے کہ تصوف اسلامی رہبانیت کی مرہون منت ہے اور رہبانیت کی اساس اللہ تعالیٰ اور دوزخ کے خوف پر مبنی ہے وہ کہتا ہے کہ اسی طرح قرآن مجید میں بھی دوزخ اور قیامت کے خوفناک مناظر موجود ہیں کریمر کی یہ بات حقیقت سے بعید ہے کہ امام حارث محاسبی کا تصوف مسیحی تھا باوجود اس کے کہ شیخ حارث خالص سنی تھے اور اسلامی تصوف کی بلندیوں پر فائز امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے پیش رو تھے۔

علماء کرام اور شرق و غرب کے مفکرین میں اختلاف نہیں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صادقین اور صادقات، عبادت گزار مرد اور

عورتیں اللہ سے ڈرنے اور اس پر پختہ یقین کرنیوالے مخلصین، محسنین، صابرین، متوکلین، مقربین، اولیاء و صالحین کا ذکر کیا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مشاہدین کا ذکر کیا ارشاد فرمایا

اَوْاَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَشَھِیْدٌ (سورۃ ق: ۳۷)

ترجمہ: یا کان لگائے اور متوجہ ہو (کنزالایمان)

مطمئن القلوب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

اَلَابِذِکْرِاللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب

ترجمہ: سن لو۔ اللہ کی یاد میں ہی دلوں کا چین ہے (کنزالایمان)

اور نیکیوں کی طرف سبقت لے جانے والے اور میانہ روی اختیار کرنے والے لوگوں کا ذکر کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "میری امت میں مکلمین اور محدثین ہوں گے۔" اور عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے ہیں"

اور آپ نے ارشاد فرمایا" : بہت سے غبار آلود اور پھٹے پرانے کپڑوں والے ایسے ہیں کہ اگر وہ قسم اٹھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دیتا ہے اور حضرت براء ؓ ان میں سے ہیں اور حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ سے کہا استفتح قلبک (اپنے دل سے سوال کرو) اور آپ کے علاوہ کسی اور کو یہ ارشاد نہیں فرمایا۔

قرآن کریم ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم اپنے دنیاوی مقدر کو ترک نہ کریں اور ہم کو دعوت دیتا ہے کہ ہم بہادر اور قوی رہیں اور اس چیز کی راہنمائی کرتا ہے کہ دانت کے بدلے دانت، آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے میں ناک بطور قصاص ہوگا اور اسی طرح قرآن ہمیں دعوت دیتا ہے کہ جہاد ہر مسلمان پر واجب ہے اسی طرح قرآن کریم نے دنیاوی مشکلات کو حل کرنے کیلئے متبادل نظام دیا ہے لیکن آیات قرآنیہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی نظر میں اخروی زندگی بہتر اور باقی رہنے والی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر اور معزز وہی ہے جو اس سے زیادہ ڈرتا ہے اس کے مقابلے میں دنیاوی زندگی لہو و لعب اور باہمی فخر سے عبارت ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے

پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ اور قرآن کریم میں جو یہ ارشاد ہوتا ہے کہ بندے کو چاہئے کہ وہ دنیاوی زندگی سے اپنا حصہ لے لے تو یہ محض اس لیے ہے کہ مومن کسی غیر کا محتاج نہ ہو پھر قرآن کریم مومنین کی صفات بیان کرتا ہے کہ وہ زمین پر آہستہ آہستہ اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان کا واسطہ کسی جاہل کے ساتھ پڑتا ہے تو بڑی سنجیدگی سے اپنا دامن بچا لیتے ہیں اور اپنی راتوں کو رکوع و سجود میں گذار دیتے ہیں یہ تمام آیات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اس دارِ فانی میں مومن کی تمام زندگی آخرت کی تیاری کیلئے وقف ہوتی ہے کیونکہ آخرت ہی مومن کیلئے زیادہ بہتر اور دائمی ہے لیکن اگر کوئی شخص اخروی زندگی کا ہی ہو کر رہ جائے تو یہ بھی اسلامی تعلیم کے منافی ہے حقیقی صوفی آخرت کی تیاری کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق و فرائض کا بھی خیال رکھتا ہے شادی کرتا ہے کسبِ حلال کا اہتمام کرتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے قوی مومن اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا ہے ضعیف اور کمزور مومن سے۔

صوفیائے کرام قرآن کریم کی آیات بینات سے اپنی آراء پر استدلال کرتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (سورہ انفال: ۱۷)

ترجمہ: اور نہیں پھینکا آپ نے ' جب پھینکا ' لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا (القرآن)

یہ آیت کریمہ ان کے اس مذہب پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل مطلق ہے اور ہر فعل کا صدور اسی سے ہوتا ہے اور بندے کی اپنے رب کی سامنے وہی حیثیت ہوتی ہے جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم وہ اپنی مرضی سے جو چاہتا ہے لکھتا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

ترجمہ: تو تم جدھر منہ کرو۔ ادھر وجہ اللہ ہے (کنز الایمان)

صوفیائے کرام ان دو آیات کو ہی نظریہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود

کیلئے بنیاد بناتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہر شے میں جلوہ افروز ہے ارشاد ربانی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ - يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ - ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ -

ترجمہ : اے ایمان والو! تم میں کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کو پیارے اور اللہ ان کا پیارا۔ مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت' اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے' اور اللہ وسعت والا' علم والا ہے (کنز الایمان)

اس آیت کریمہ سے صوفیاء کرام نے اخذ کیا ہے کہ حب الٰہی کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) حب الٰہی انسان کیلئے

(۲) انسان کی محبت اللہ کیلئے

ارشاد رب ذوالجلال ہے

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا -

ترجمہ : کیا کافروں نے یہ خیال نہ کیا کہ زمین اور آسمان بند تھے تو ہم نے انہیں کھولا۔

اس آیت کریمہ سے انہوں نے حقیقت محمدیہ کا استدلال کیا ہے جسے وہ تعین اول سے تعبیر کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ تعین اول ہی تمام تعینات علویہ اور سفلیہ کو جامع ہے دراصل حقیقتِ محمدیہ ہی تمام اشیاء کا اجمالاً" سرچشمہ ہے اور بعد میں تمام اشیاء کا ظہور اسی حقیقت سے ہوا اور آسمان و زمین کا وجود بھی اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

درج ذیل آیات سے توبہ اور اس کی اقسام پر استدلال کرتے ہیں ارشاد

خداوندی ہے۔
تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ
ترجمہ: اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو! سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ (کنزالایمان)

نیز ارشاد خداوندی ہے۔
وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ
(ترجمہ: اور یہ کہ اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف توبہ کرو (کنزالایمان)

ارشاد ربانی ہے
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا

ترجمہ اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے (کنزالایمان)

ان آیات کریمہ سے صوفیاء کرام مقام صبر پر استدلال کرتے ہیں

ارشاد ربانی ہے
اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا (آل عمران: ۲۰۰)
ترجمہ: صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو۔

ارشاد خداوندی ہے
اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ
ترجمہ: صابروں کو ہی ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بے گنتی (کنزالایمان)

ارشاد خداوندی ہے
وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔
ترجمہ: اور بے شک جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں (کنزالایمان)

ارشاد خداوندی ہے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ (سورہ محمد:۳۱)

ترجمہ: اور ضرور ہم تمہیں جانچیں گے یہاں تک کہ دیکھ لیں تمہارے جہاد کرنے والوں اور صابروں کو (کنزالایمان)

ان آیات کریمہ سے وہ مقام توکل پر استدلال کرتے ہیں ارشاد خداوندی ہے

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ (الفرقان:58)

ترجمہ: اور بھروسہ کرو اس زندہ پر جو کبھی نہ مرے گا (کنزالایمان)

ارشاد خداوندی ہے

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (ابراہیم:11)

ترجمہ: اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

ارشاد خداوندی ہے

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آل عمران:159)

ترجمہ: اور جب کسی بات کا ارادہ پکا کرلو، تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ (کنزالایمان)

ان آیات کریمہ سے صوفیاء کرام تفکر فی آلافاق کے نظریہ پر استدلال کرتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ آل عمران:190

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے۔

نیز ارشاد خداندی ہے

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (المزمل:8)

اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو۔

ارشاد خداوندی ہے

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر:99)

ترجمہ : اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو۔ (کنزالایمان)

ارشاد رب العالمین ہے

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ (الکھف:28)

ترجمہ : اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور کسی پر نہ پڑیں۔ (کنزالایمان)

ان آیات سے صوفیاء کرام زہد پر استدلال کرتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ اَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيَاحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (الکھف:45)

ترجمہ : "اور ان کے سامنے دنیاوی زندگی کی مثال بیان کرو جیسے ایک پانی ہم نے اتارا تو اس کے سبب زمین کا سبزہ گھنا ہو کر نکلا۔ پھر سوکھی گھاس ہو گیا جسے ہوائیں اڑائیں' اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے"

ارشاد پروردگار ہے

اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ' ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (الحدید:20)

ترجمہ: جان لو کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا' اس بارش کی طرح جس کا اگایا سبزہ کسانوں کو بھایا پھر سوکھا کہ تو اسے زرد دیکھے پھر ریزہ ریزہ ہو گیا اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور اللہ کی طرف سے بخشش اور اس کی رضا' اور دنیا کا جینا تو نہیں مگر دھوکے کا مال۔ (کنزالایمان)

ارشاد رب کریم ہے

اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیَاۃُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ (لقمان: 33)

ترجمہ: بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو ہرگز تمہیں دھوکہ نہ دے دنیا کی زندگی اور ہرگز تمہیں اللہ کے علم پر دھوکہ نہ دے وہ بڑا فریبی (کنزالا یمان)

اس کے علاوہ قرآن کریم طالبان حق کی معرفت الٰہی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور معرفت کا حصول حواس ظاہری اور باطنی سے ممکن نہیں اور نہ ہی کتبِ مقدسہ سے اس کا حصول صراحتاً ممکن ہے

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود فرماتے ہیں کہ معرفتِ الٰہی کا بہترین طریقہ وہ الہام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خواب میں فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حضرت یوسف علیہ السلام کے کئی خواب ذکر کئے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْہِ یٰاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُھُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ (یوسف: 4)

ترجمہ: یاد کرو جب یوسف (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ میں نے گیارہ تارے اور سورج اور چاند دیکھے۔ انہیں اپنے لیے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ (کنزالایمان)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی اس خواب پر یقین کا اظہار کیا اور

نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔
یَا بُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْیَاکَ عَلٰی اِخْوَتِکَ فَیَکِیْدُوْا لَکَ کَیْدًا
(یوسف: 5)

ترجمہ : کہا اے میرے بچے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا وہ تیرے ساتھ کوئی چال چلیں گے۔ (کنزالایمان)

جب عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کیا تو قید خانے میں ان کے ساتھ دو نوجوان بھی داخل ہوئے ان میں سے ایک نے کہا اِنِّیْ اَرَانِیْ اَعْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْ اَرَانِیْ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْکُلُ الطَّیْرُ مِنْهُ

ترجمہ : میں نے خواب دیکھا ہے کہ شراب نچوڑتا ہوں اور دوسرا بولا میں نے خواب دیکھا میرے سر پر کچھ روٹیاں ہیں جن میں سے پرندے کھاتے ہیں۔ (کنزالایمان)

وہ دونوں حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں اس کی تاویل بیان کرنے کے لئے عرض کی' آپ نے انہیں اس کی تاویل سے آگاہ کیا اس کے علاوہ بھی سورۃ یوسف میں بادشاہ کا ایک خواب مذکور ہے جس کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام نے کی

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے والد اور بھائی مصر میں آئے اور ان کو سجدہ تعظیمی کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو وہ خواب یاد دلایا جو انہوں نے بچپن میں دیکھا تھا۔ (یا ابت هذا تاویل رویای من قبل قد جعلها ربی حقا" اور یوسف نے کہا "اے میرے باپ یہ میرے پہلے خواب کی تاویل ہے بے شک میرے رب نے اسے سچا کیا ہے"

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا
اِنَّ الرُّؤْیَا جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَاَرْبَعِیْنَ جُزْءٍ مِنَ النُّبُوَّةِ
ترجمہ : حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "خواب اجزاء نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے"

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ مضبوط رسی ہے جس کے عجائب ختم ہونے والے نہیں اور بار بار پڑھنے سے اس کی دلچسپی کم نہیں ہوتی جس نے قرآن کریم پر عمل کیا کامیاب ہوا۔ اور جس نے اس کے ساتھ فیصلہ کیا اس نے عدل کیا جس نے اس کو مضبوطی سے تھام لیا وہ صراط مستقیم پر گامزن ہوا

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا "جو علم سیکھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ قرآن کی طرف رجوع کرے کیونکہ اسی میں علم اولین و آخرین ہے"

ارشاد باری تعالیٰ ہے

الٓمٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ
(القرآن)

ترجمہ : وہ بلند رتبہ کتاب کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کے لئے، جو بے دیکھے ایمان لائیں (کنزالایمان)

حضرت سہل بن عبد اللہ نے فرمایا اگر بندے کو قرآن کے ہر حرف کے ہزار معانی بتا دیئے جائیں تب بھی ان معانی کی انتہاء تک نہیں پہنچ سکتا۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ایک آیت میں سمو دیا ہے کیونکہ یہ کلام اللہ ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات لامتناہی ہیں اسی طرح اس کے کلام کے معانی کا کوئی شمار نہیں لیکن ان معانی کو صرف اولیائے کرام ہی سمجھ سکتے ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ روشن کر کے اپنے کلام کے سمجھنے کی توفیق دیتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے اور مخلوق کے اذہان و افکار کی اس تک رسائی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ حادث اور مخلوق ہیں

تصوف اور مذہب اسلام

مستشرقین اور دوسرے لوگ جو تصوف کے موضوع پر لکھتے ہیں وہ اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تصوف کا تعلق غیر اسلامی ماخذ سے ہے یا یہ مختلف اسلامی ماخذ کا مجموعہ ہے اور ان ماخذ میں قرآن وحدیث بھی شامل ہیں

اور بعض کا نظریہ ہے کہ اسلام میں تصوف باہر سے داخل ہوا ہے یا تو یہ شام کی رہبانیت سے ماخوذ ہے جیسا کہ مارکس کا خیال ہے یا جدید یونان کے افلاطونیت سے' یا ایران کے زرتشی مذہب سے' یا ہندی ویدجوگیوں سے ماخوذ ہے اور یہ جانسن کی رائے ہے لیکن جب ہم "نکلسن" کی رائے کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی رائے یہی ہے کہ مطلق طور پر یہ حکم صادر کرنا کہ تصوف اسلام میں کہیں اور سے داخل ہوا ہے غیر معقول بات ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ صوفیاء کرام کے مخصوص افکار' ظہور اسلام سے ہی مسلمانوں میں موجود تھے جس وقت مسلمان قرآن وحدیث پر سختی سے کاربند تھے۔

شیخ عبدالواحد یحیٰ فرماتے ہیں کہ تصوف دینِ اسلام کا جزو لاینفک ہے کیونکہ دین اس کے بغیر نامکمل ہے بلکہ اسلام تصوف کے بغیر اپنے اہم مقصد سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ اس کو اسلام میں مرکزی اہمیت حاصل ہے اس لیے ان لوگوں کی آراء کی کوئی حیثیت نہیں جو تصوف کو غیر اسلامی ماخذ کی طرف منسوب کرتے ہیں اگر صوفیائے کرام اور ان لوگوں کے درمیان جو دوسرے مذاہب

سے تعلق رکھتے ہیں مشابہت پائی جاتی ہے تو اس میں کوئی استحالہ نہیں کیونکہ تمام مذاہب کی اصل اور حقیقت ایک ہی ہے اور تمام عقائد اپنے اجزاء ترکیبی میں متحد ہیں اگرچہ ظاہری طور پر مختلف ہیں

بعض مستشرقین کا یہ گمان کہ صوفیائے کرام نے نصرانیت سے اخذ کیا ہے محض باطل ہے کیونکہ قرآن کریم کی بہت سی آیات اور احادیث کثیرہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تعلیماتِ تصوف خالصتہ "اسلامی ہیں

قرآن کریم میں زہد کا واضح طور پر ذکر ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے اور ان کے سامنے دنیاوی زندگی کی مثال بیان کرو جیسے ایک پانی ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے سبب زمین کا سبزہ گھنا نکلا پھر سوکھی گھاس ہوگیا جسے ہوائیں اڑائیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قابو پانے والا ہے (الکہف: 45)

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی بھی اسی پر دال ہے آپ نے ارشاد فرمایا "میں اپنے بعد سب سے زیادہ جس چیز سے ڈرتا ہوں وہ دنیا کی زیب و زینت ہے" (بخاری۔ مسلم۔ نسائی)

آپ نے ارشاد فرمایا: لَوْكَانَ لِيْ مِثْل اُحد ذَهَباً مَاسَرَّنِيْ اِلَّا تَمر عَلٰى ثَلَاث لَيَالٍ وَعِنْدِيْ مِنْهُ شَيْئٌ اِلَّا شَيْئ اَرْصَدُهٗ لِدَيْنٍ (بخاری۔ مسلم۔ دارمی)

ترجمہ : اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہوتا تو میں اس چیز کو پسند نہ کرتا کہ میرے پاس تین راتوں کے بعد میری ملکیت میں کچھ ہو مگر یہ کہ کچھ حصہ ادائیگی قرض کے لئے رکھ لوں۔ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ (مسلم۔ ترمذی)

ترجمہ: دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت ہے (الحدیث)

ارشاد فرمایا

اِزْهِدْ فِى الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللّٰهُ وَازْهِدْ فِيْمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاس (ابن ماجہ)

ترجمہ : دنیا میں زہد اختیار کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور جو کچھ

لوگوں کے پاس ہے اس میں رغبت نہ کرو تو لوگ تم سے محبت کریں گے
(الحدیث)

یہ تمام آیات اور احادیث نبویہ بڑے واضح طور پر دلالت کر رہی ہیں کہ وہ زہد جسکو صوفیائے کرام نے اختیار کیا ہے اس کی اصل کتاب و سنت میں موجود ہے اسی طرح فقر کا ذکر بھی قرآن کریم میں آیا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (البقرہ: 273)

ترجمہ: ان فقیروں کیلئے جو راہ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے نادان انہیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب تو انہیں ان کی صورت سے پہچان لے گا۔ لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحشر: 8)

ترجمہ: ان فقیر ہجرت کرنیوالوں کیلئے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے اور اللہ اور رسول کی مدد کرتے ہیں وہی سچے ہیں۔

اس وجہ سے گولڈ زیہر کا یہ قول صحیح نہیں کہ فقر کی تعریف اور اس کو غنا پر ترجیح دینا نصرانی تعلیمات سے حدیث پاک میں منتقل ہوا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور احادیث طیبہ ' قرآن کریم کی صحیح تصویر تھیں۔ اور آپ نے اسی چیز کی دعوت دی جس کا ذکر قرآن پاک میں تھا

اسی طرح نکلسن کا یہ قول بھی مردود ہے کہ خاموشی اور ذکر جن کو صوفیاء

کرام منازلِ سلوک میں اپناتے ہیں نصرانیت سے ماخوذ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرے بہت سی آیات کریمہ اور احادیث طیبہ ذکر پر برانگیختہ کرتی ہیں اور ان میں بیان کیا گیا ہے کہ ذکر بلند کرنے والوں کی شان بلند اور اجر کثیر ہوتا ہے ان میں سے چند ایک کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے

فَاذْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْالِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (البقرہ:152)

ترجمہ: پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا تم میرا شکر ادا کرو اور کفران نعمت نہ کرو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

يَااَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا اللّٰهَ ذِكْراً كَثِيْراً وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلاً هُوَالَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِاللّٰهِ رَحِيْماً (الاحزاب:41)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو اور صبح وشام اس کی پاکی بولو وہی ہے جو درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے کہ تمہیں اندھیروں سے اجالوں کی طرف نکالے اور وہ مسلمانوں پر مہربان ہے"

اور اسی طرح ذکر کی فضیلت میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو چکر لگاتے اور مجالس ذکر کو تلاش کرتے رہتے ہیں اور جب کسی مجلس ذکر کو پالیتے ہیں تو اس میں بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے پروں سے اس کو ڈھانپ لیتے ہیں یہاں تک کہ آسمان تک کی فضا کو بھر دیتے ہیں"

اور اس سے ہم اس قول کا رد آسانی سے کر سکتے ہیں جس میں یہ کہا گیا ہے کہ تصوف اسلامی میں حب الٰہی کا نظریہ نصرانیت سے مستعار ہے۔ مگر ہم قرآن وسنت کا گہری نظر سے مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ صوفیائے کرام کے اس عظیم نظریے کے بنیادی عناصر قرآن وسنت سے ہی اخذ کیے گئے ہیں

اور بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ تصوف اسلامی یونانی یا ہندی افکار سے ماخوذ

ہے تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ پانچویں صدی تک جو کہ تصوف کے عروج کا دور ہے اسلامی ماخذ کے مقابلہ میں یونانی مصادر کی کوئی حیثیت نہیں تھی، صرف امام غزالی کو ہی لے لیجئے

آپ بہت بڑے متکلم اور فلسفی تھے اور فلسفہ یونان پر آپ کی گہری نظر تھی آپ نے "مقاصدِ فلاسفہ" میں ایرانی فلسفہ کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے اس کے بعد آپ نے مذاہب فلسفہ کے رد اور انکے عقلی دلائل کے بطلان کیلئے تحافہ الفلاسفہ لکھی لیکن فلسفہ میں اتنی مہارت کے باوجود اپنی روحانی زندگی کے اعتبار سے خالصتہ" مسلمان صوفی تھے - ان کے ذکر واذکار' اور طریقہ تصوف' قرآن وسنت سے ماخوذ تھا۔ اور اس بات کی سب سے بڑی دلیل آپ کی بے مثل کتاب "احیاء العلوم" ہے یہ کتاب اس بات پر شاہد ہے کہ امام غزالی بہت بڑے صوفی تھے اگرچہ آپکی دوسری تالیفات میں یونانی فلسفے کے آثار پائے جاتے ہیں لیکن روح اسلام آپ پر غالب تھی۔ اور آپ اکثرو بیشتر قرآن وسنت سے استدلال کرتے تھے آپ کے مسلم صوفی ہونے پر اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوگی کہ آپ نے اتحادیہ کی رائے کی تردید کی جس کو ابن سینا نے "کتاب النجاۃ" میں اختیار کیا اور دوبارہ کتاب "الاشارات" میں اس رائے سے دست بردار ہوئے۔

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود رحمتہ اللہ علیہ اس اختلافی موضوع کی وضاحت بڑے منفرد انداز میں کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تصوف کے موضوع پر لکھنے والوں نے تصوف کو ان کسبی عوامل پر قیاس کیا ہے جو بیرونی عوامل کا اثر قبول کرتے ہیں۔

عام طور پر کاتب' شاعر اور مفکر اپنے افکار اور خیالات کو اپنے اردگرد کے ماحول سے اخذ کرتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیرونی ماحول ان کے افکار پر اثر انداز ہوتا ہے لیکن صوفی اور صوفیاء کا تعلق ان چیزوں سے نہیں ہوتا۔ اس مفہوم کی وضاحت کیلئے اس مسئلہ کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں

(۱) سلوک تصوف کا رحجان

(۲) شعور تصوف

(۱) سلوک تصوف کا رحجان

جہاں تک تصوف کی طرف رحجان کا تعلق ہے اس میں انسان کے داخلی اثرات کا عمل دخل ہے۔ اور ان اسباب کا تعلق خارجی عوامل سے زیادہ داخلی عوامل سے ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ انسان میں فطری طور پر یہ استعداد موجود ہو کیونکہ منزلِ سلوک کا آغاز کسی ایک کلمہ 'اشارہ' یا حادثہ سے ہوتا ہے جو سالک کی زندگی میں اثر انداز ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس راہ پر چل نکلتا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ

ترجمہ : میں اپنے رب کی طرف جاتا ہے ہوں وہی مجھے ہدایت دے گا (القرآن)

وہ ایک کلمہ جو اس عزم مصمم کا باعث ہوتا ہے اس کیلئے فطری استعداد لازمی امر ہے اور اس فطری استعداد کا تعلق نہ تو افلاطونی اور ہندی افکار سے ہے اور نہ ہی ایرانی نظریات سے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سالک افلاطونی افکار اور ہندی عقائد کا علم رکھتا ہے لیکن اس کا یہ علم اس کے صوفی ہونے کے منافی نہیں ہوتا۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی صوفیائے کرام کی کتب کا مطالعہ کیا اور خود ہی اس کے بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ میں نے صوفیاء کرام کے علوم کو حاصل کرنے کی ابتداء ان کی کتابوں کے مطالعہ سے کی میں نے ابو طالب مکی کی "قوت القلوب" حارث محاسی کی کتب، جنید، شبلی، ابو یزید بسطامی سے منقول اقوال کا مطالعہ کیا حتی کہ میں علمی مقاصد کی حقیقت پر مطلع ہوگیا تعلیم اور سماع کے ذریعے جو بھی علوم ممکن تھے حاصل کر لیے لیکن ان کتب اور فلسفہ یونان کے

گہرے مطالعہ کے باوجود صوفی نہ بن سکے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض علوم ایسے بھی ہیں جو محض تعلیم سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ ذوق' حال اور تبدیلی صفات کی ضرورت ہوتی ہے المختصر یہ کہ تصوف ان امور کسبیہ سے نہیں جو اپنے اردگرد ماحول کا اثر قبول کرتے ہیں بلکہ یہ خالص ذوق اور مشاہدے کا نام ہے۔

اور ذوق اور مشاہدے کا حصول' خلوت' ریاضت' مجاہدہ اور اشتیاق کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس' تہذیب اخلاق اور تصفیہ قلوب سے ہوتا ہے اور صوفیائے کرام کے مشاہدہ کو غیر اسلامی ماخذ کی طرف منسوب کرنا قرین قیاس نہیں مسئلہ تصوف کی حقیقت سے ناآشنا لوگوں کا تصوف کو موضوع بحث بنانا سراسر خطا ہے۔

اس تمام بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ تصوف کی طرف رجحان اور میلان فطری امر ہے صوفیاء کرام کا ذوق' شعور اور معرفت منبعِ نور وہدایت سے مستفاد ہے۔ سابقہ بحث کا حاصل یہی ہے کہ' تصوف عربی اور اسلامی ہے جس طرح کہ وہ قرآن مجید جس سے اصول بنائے گئے ہیں تصوف کے اصول براہ راست اخذ کیے گئے ہیں عربی اور اسلامی ہیں۔

اور جب اصولِ تصوف قرآن مجید سے ہی مستنبط ہیں' اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ استنباط فہم قرآن' تدبر اور تفسیرِ قرآن کے بعد ممکن ہوا ہے تو سب سے پہلے قرآن کریم کی لغوی' منطقی اور کلامی تفسیر ہوئی اور پھر مزید گہرائی میں جانے کیلئے صوفیانہ تفسیر کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کلام اللہ کی تین آیات انسان کیلئے کافی ہیں

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورہ الانعام 17)

ترجمہ: "اور اگر اللہ تجھے کوئی برائی پہنچائے تو اس کے سوا اس کو کوئی دور

کرنے والا نہیں اور اگر تجھے بھلائی پہنچائے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔
(کنزالایمان)

حضرت ابو بکر صدیق ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ اگر میرے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی مجھے محروم کرنے والا نہیں اور اگر اس نے میرے مقدر میں شر لکھ دیا ہے تو کوئی طاقت اسے دور نہیں کر سکتی۔

دوسری آیت: فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ

ترجمہ: پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا

فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو چھوڑ کر اسی کے ذکر میں مشغول ہو گیا

تیسری آیت: وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

ترجمہ: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔ (کنزالایمان)

حضرت ابو بکر صدیق ؓ فرماتے ہیں جب میں نے اس آیت کریمہ کو پڑھا تو پھر کبھی حصول رزق کی فکر نہ کی درج ذیل اشعار بھی حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی طرف منسوب ہیں

يَامَنْ ترفع بِالدُّنْيَا وَزِيْنَتِهَا
لَيْسَ التَّرفع رَفْعِ الطِّيْنِ بِالطِّيْنِ
إِذَا اَرَدْتَ شَرِيْفَ النَّاسِ كُلَّهُمْ
فَانْظُرْ إِلٰى مَلِكٍ فِيْ ذِيْ مِسْكِيْنِ
ذَاكَ الَّذِيْ عَظمَتْ فِي النَّاسِ رُؤْيَتَهُ
وَذَاكَ الَّذِيْ يَصلحُ لِلدُّنْيَا وَلِلدِّيْنِ

(۱) اے وہ شخص! جو دنیا اور اس کی زینت سے بڑائی چاہتا ہے مٹی پر مٹی کو بلند کرنے سے بڑائی حاصل نہیں ہوتی

(۲) جب تو تمام لوگوں سے شریف آدمی کو چاہتا ہے پس تو مسکینوں کے بادشاہ کی طرف نظر کر۔

(۳) وہ، وہ شخص ہے جس کا مرتبہ لوگوں میں بڑا عظیم ہے وہ وہ ہے جو دین و دنیا میں صالح ہے۔

حیات نبویہ اور تصوف

رسول کریم ﷺ تمام انسانیت کیلئے معلم اور جمیع خلائق کیلئے رحمت بن کر آئے آپ کے رب نے ہی آپ کو بہترین آداب سکھائے

جیسا کہ آپ سے مروی ہے

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ

مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور بہترین سکھایا (الحدیث)

نبی کریم ﷺ جب اس دنیا میں تشریف لائے تو یتیم تھے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عنایت کے سوا کوئی سہارا نہ تھا اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام رسولوں سے اعلیٰ اور خاتم النبین بنا کر مبعوث فرمایا تھا اس لیے حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ خود آپکی تربیت فرماتا اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے ایسے بہترین خاندان کا انتخاب فرمایا جو پاکیزگی اور عفت و عصمت اور ایمان میں اپنی مثال آپ تھا۔ آپ کے جدِ امجد خوبرو، کریم، خوش خلق اور بڑے شیریں بیان تھے آپ بڑے قوی الایمان تھے آپ کے دل و دماغ پر مذہبی چھاپ تھی آپ نوجوانانِ قریش کی طرح بڑے ہی ذہین فطین، غیور اور بہادر تھے لیکن آپ کو یہ امتیازی خصوصیت حاصل تھی کہ آپ سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے جبکہ نوجوانانِ قریش اس سے عاری تھے

آپ دین کے معاملے میں بڑے سخت تھے جبکہ وہ لوگ اس بات کو ناپسند

کرتے تھے آپکو غیبی طاقت حاصل تھی جس کی وجہ سے آپ مختلف امور کو سرانجام دیتے تھے اور اکثر اوقات آپ کو خواب میں ایک شخص دکھائی دیتا جو آپ کو مشورہ دیتا کہ فلاں کام کرو۔

نبی کریم ﷺ کے والد ماجد بھی حضرت عبدالمطلب کے طریقہ پر کاربند تھے اور آپ کی زندگی کا یہ نصب العین تھا کہ حرام کھانے سے موت بہتر ہے نبی کریم ﷺ قبل از بعثت بھی قریش میں امین کے لقب کے مشہور تھے۔

آپ کی زندگی بڑی پاکیزہ اور عبادت و زہد سے عبارت ' اور خالص فکرو روحانیت کا مرقع تھی۔ اسی حالت پر آپ نے ایامِ شباب گزارے۔ لیکن آپ اپنے ہم عمروں کی طرح کھیل کود میں مشغول نہ ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے ان چیزوں سے محفوظ رہے۔ اور وہ قبل از نزولِ وحی بھی دنیا و مافیھا کو ترک کرکے غار حراء میں عبادت کیلئے تشریف لے جاتے ہیں اور جب تنہائی میسر ہوتی ' تو کائنات میں غور و فکر کرتے وسیع و عریض ریگستان اور بلند و بالا پہاڑوں ' نیلگوں آسمانوں میں چمکتے ہوئے ستاروں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال اور کبریائی کا مشاہدہ کرتے کیونکہ یہ تمام چیزیں خالق کائنات کی طرف دلالت کرتی تھیں۔ اس لیے آپ ان کے مشاہدہ میں اس قدر مستغرق ہو جاتے کہ اہل مکہ کہنے لگے

اِنَّ مُحَمَّداً قَدْ عَشِقَ رَبَّہٗ

بے شک محمد ﷺ اپنے رب کے عاشق ہو گئے ڈاکٹر محمد حسین ھیکل اپنی کتاب "حیاتِ محمدؐ" میں رقمطراز ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب غار حراء میں تنہا ہوتے تو کائنات کی حقیقت میں غور و تدبر کیا کرتے۔ تو آپ کو طمانیتِ قلبی حاصل ہوتی اور آپ کا میلان خلوت کی طرف ہونے لگا غار حراء شمال مکہ میں بلند پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے جو کہ خلوت اور عبادت کا بہترین مقام ہے آپ ہر سال رمضان شریف میں اس غار میں آرام فرماتے اور قلیل زادِ راہ اپنے ساتھ لے جاتے معرفت خداوندی کے حصول میں دنیا کے شور و غل سے الگ

تھلگ رہنا آپ کا مقصدِ حیات تھا۔ اور بعض اوقات معرفتِ خداوندی کی طلب میں استغراق اس حد تک بڑھ جاتا کہ کھانا پینا اور دیگر دنیاوی مشاغل بھول جاتے اسی طرح تقریباً چھ مہینے بیت گئے ایک دن آپ غار حراء میں شریف فرما تھے کہ ایک فرشتہ آیا جس کے ہاتھ میں ایک صحیفہ تھا اس نے کہا "اقراء"۔

غار حراء میں حضور نبی کریم ﷺ کا سلسلہ عبادت و ریاضت ایک حقیقی صوفی کے لئے کامل نمونہ ہے خالق کائنات کی عظمت و کبریائی میں غور و فکر منازل سلوک کی بنیاد ہے فرق صرف اتنا ہے کہ حضور ﷺ نبی تھے۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ صوفیائے کرام آپ کی سنت کے متبعین ہیں تصوف ابتداء" طہارت، عبادت اور زہد سے عبارت ہے پھر کشف فیضِ الٰہی اور تجلیاتِ الٰہی کا درجہ ہے بعد ازاں وصال بالحق کی منزل ہے۔

مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر بعض اوقات ایسی حالت طاری ہو جاتی جو وجد کے مشابہ ہوتی انسان وجد کی حالت میں اپنی ذات اور اردگرد کے ماحول سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اسی حالت میں تھے کہ سیدہ عائشہ ؓ تشریف لائیں۔ جب آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا کون؟ انہوں نے جواب دیا میں عائشہ! آپ نے دوبارہ پوچھا کون عائشہ؟ انہوں نے عرض کیا ابو بکر صدیق ؓ کی بیٹی لیکن حضور نے پھر سوال کیا۔ کون صدیق؟ جواب میں عرض کیا محمد کے سسر لیکن نبی پاک ﷺ نے دریافت فرمایا کون محمد؟ تو وہ خاموش ہو گئیں کیونکہ انہیں معلوم ہو گیا تھا۔ کہ حضور ﷺ عام حالت پر نہیں ہیں اگر یہ قصہ صحیح ہو تو صوفیائے کرام پر وارد ہونے والے وجد، سکر اور فنا پر قوی دلیل ہے

اسراء و معراج

اپنی ذات سے بے خبری کا سلسلہ یہیں منقطع نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق ایسے عظیم واقعہ ہے سے ہوتا ہے جس کا اسلامی روحانی تاریخ سے گہرا تعلق ہے اس سے مراد قصہ اسراء و معراج جس کا تفصیلی ذکر قرآن مجید اور کتب احادیث میں موجود ہے مروی ہے کہ حضور ﷺ معراج کی رات حضرت ام ھانی کے گھر تشریف فرما تھے۔ وہ بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز عشاء ادا کرنے کے بعد استراحت فرما ہو گئے تو ہم بھی سو گئے فجر سے پہلے میں نے حضور ﷺ کو جگایا۔ تو آپ نے نماز فجر ہمارے ساتھ ادا فرمائی اور ارشاد فرمانے لگے اے ام ہانی! رات عشاء کی نماز اسی وادی میں تمہارے ساتھ ادا کی۔ پھر بیت المقدس پہنچا۔ وہاں نماز پڑھی اور پھر نماز صبح تمہارے ساتھ ادا کی ام ھانی نے عرض کی کہ یہ واقعہ لوگوں کو نہ بتائیں وہ آپ کی بات کو تسلیم نہیں کریں گے بلکہ الٹا تکلیف اور اذیت پہنچائیں گے تو آپ نے ارشاد فرمایا "قسم بخدا! میں انہیں ضرور بتاؤں گا۔"

اسراء و معراج میں اختلاف ہے کہ روح کے ساتھ تھا یا جسد کے ساتھ یا روح و جسد دونوں کے ساتھ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ مکہ سے بیت المقدس اور وہاں سے آسمان کی طرف بالروح تھا۔

بعض کا کہنا ہے کہ اسراء و معراج دونوں بالجسد تھے جبکہ فریق ثالث کہتا ہے کہ اسراء معراج آپکی روح کو ہوا نہ کہ آپ کے جسد مبارک کو۔

اسراء بالجسد کی رائے کے قائلین نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے دوران اسراء صحراء اور بہت سی چیزوں کا مشاہدہ فرمایا' اور اسراء بالروح کی رائے رکھنے والوں کی رائے وہ روایت ہے جو حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا جسدِ اطہر تو موجود رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح کو معراج کرائی۔ ہمیں اس سے

غرض نہیں کہ ان میں سے کونسا قول اصح ہے ہم صرف اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اسراء بالروح کا قول اگر صحیح ہو تو یہ حضور ﷺ کی روح مبارک کے انتہائی لطیف ہونے اور قلبِ اطہر کے شفاف ہونے میں بہت بڑی دلیل ہے اور ایسی عظیم قوت پر دلالت کرتی ہے جس کی وجہ سے آپ ملکوت ارض سماء کی سیر فرماتے اور تمام کائنات میں موجود حقائق' علوم اور دقائق غیبیہ کا احاطہ فرماتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قلب اطہر سے غم کو دور فرما دیا تھا تمام حجابات ہٹا دیے تھے صوفیائے کرام کے مشاہدات' مکاشفات اور فیوضات کے لئے یہی دلیل کافی ہے۔ صوفیائے کرام بھی عالم شہود سے عالم ملکوت کی طرف ترقی فرماتے ہیں کیونکہ ارواح و قلوب بھی بہت سے علوم اور معارف کا احاطہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان تمام امور کا تعلق اسراء بالروح سے ہے۔

تصوف اور روحانیت کے سلسلہ میں ارشاداتِ نبویہ:

حضور ﷺ کی احادیثِ طیبہ اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تعلیمات تصوف کا واضح طور پر ذکر موجود ہے آپ نے ایک دن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا اے ابو ہریرہ! کیا میں تمہیں دنیا اور مافیھا نہ دکھاؤں؟ انہوں نے عرض کی ضرور یا رسول اللہ اور فرماتے ہیں کہ میرا ہاتھ پکڑ کر مدینہ طیبہ کی ایک وادی میں لے گئے۔ وہاں دیکھا کہ گندگی کا ایک ڈھیر پڑا تھا۔ جس میں کچھ کھوپڑیاں اور بوسیدہ ہڈیاں اور دوسری گندگی پڑی ہوئی تھی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے ابو ہریرہ! یہ سب تمہاری طرح لالچی تھے اور تمہاری طرح آرزوئیں کرتے تھے آج یہ بغیر جلد کے ہڈیاں ہیں پھر کچھ عرصہ بعد خاک ہو جائیں گے۔ اور یہ "گندگی" وہ کھانے ہیں جن کو تم نے کھایا۔ نہ جانے کہاں سے کمایا۔ پھر پیٹوں میں ڈال دیا۔ اب ان کی یہ حالت ہے کہ لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں یہ پھٹے پرانے چیتھڑے ان کا لباس اور باعثِ زینت تھے۔ اب ہوائیں

انہیں اڑاتی پھرتی ہیں اور یہ ان کے چوپاؤں کی ہڈیاں ہیں جن پر وہ دور دراز کا سفر کرتے تھے پس جو دنیا پر روتا ہے اسے چاہیے کہ وہ روئے دنیا کی یہ تصویر کشی نبی کریم ﷺ نے اس حدیث پاک میں فرمائی اور حضور ﷺ کے نزدیک بھی دنیا کی یہی حیثیت ہے پس ان دنیا کو جو پسند کرتا ہے کرتا رہے اور جو آخرت اور معرفت الٰہی کا طالب ہے اس کے لیے راستہ بالکل واضح ہے۔

نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ایک آدمی نے ہدیہ پیش کیا۔ آپ اس کیلئے برتن تلاش کرنے لگے۔ تاکہ اس کا برتن خالی کر کے واپس کر دیں۔ لیکن کوئی برتن نہ مل سکا تو آپ نے ارشاد فرمایا! اسے زمین پر ہی رکھ دیں پھر اس سے کچھ حصہ تناول فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا! میں ایسے ہی کھاتا پیتا ہوں۔ جس طرح ایک عام انسان کھاتا ہے اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ بھی عطا نہ کرتا۔ یہ دنیا جس کی قدر مچھر کے پر سے بھی کم ہے یہ ایک وسیلہ ہے منزلِ مقصود نہیں۔ پس جو انسان منزلِ مقصود سے منہ پھیر کر اس وسیلہ سے دل لگا لیتا ہے اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر ثبت کر دی۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے میرا دنیا کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ میری اور دنیا کی مثال اس مسافر کی طرح ہے جو سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تھوڑا سا آرام کرتا ہے اور پھر اس جگہ کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور ارشاد فرمایا کہ دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی مثال ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی سمندر میں انگلی ڈالے پھر نکال کر دیکھے کہ کتنا پانی اس کے ساتھ نکلتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور آپ نے دیکھا کہ آپ ﷺ سخت چٹائی پر آرام فرما ہیں جس کی وجہ سے آپ کے جسم مبارک میں نشان پڑ گئے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ منظر دیکھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عمر کیوں روتے ہو؟ آپ نے عرض کی۔ کہ قیصر و کسریٰ تو ریشم اور استبرق پر آرام کریں۔ اور آپ اس

چٹائی پر۔ یہ بات سن کر آپ جلال میں آگئے۔ اور فرمایا! کیا تم اس بات پر راضی نہیں۔ کہ قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت پائیں۔

نبی کریم ﷺ کا اخلاق اور دین' دنیاوی فکر پر مبنی نہیں تھا۔ بلکہ آپ کا اخلاق اور دین' عبادت' تواضع پر مبنی تھا۔ اور دنیاوی زیب و زینت سے اعراض پر مبنی تھا۔ صوفیائے کرام بھی انہیں اصولوں پر کاربند تھے۔

ارشاد نبوی ہے: "درہم و دینار اور کپڑے پر فریفتہ ہلاکت اور تباہی سے دوچار ہوا۔"

ان احادیث کی روشنی میں ہم نبی کریم ﷺ کی اس دعاء کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں ہمیشہ آپ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے

اَللّٰهُمَّ اِحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا" اے اللہ مجھے حالت مسکینی میں زندہ رکھنا مساکین کے ساتھ میرا حشر کرنا۔ یہ بڑی عظیم دعا ہے جس کو سیدالانبیاء ﷺ نے پسند فرما کر اپنے لیے منتخب فرمایا۔ آپ نے دنیا و آخرت میں مساکین کی معیت کو پسند فرمایا۔ یہاں مسکین سے مراد ضعیف اور گھٹیا نہیں بلکہ اس سے مراد مطیع اور پرہیزگار اور دنیا سے اعراض کرنے والا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے نصیحت فرمائیں آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو' گویا کہ اسے دیکھ رہے ہو۔ اور اپنے آپ کو بزرگوں میں شمار کرو۔ یہ نصیحت بڑی عظیم اور معنی خیز ہے اس لیے اپنی جان کو محفوظ رکھو کیونکہ گناہوں کی کثرت کا مصدر انسان ہی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ نجات کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنی زبان کو لگام دو گھر میں رہو۔ اور اپنی خطاؤں کے اوپر روؤ۔ یہ حضور ﷺ کے فضائل و شمائل ہیں۔ صوفیاء کرام نے انہیں کو مشعل راہ بنایا۔ اور انہیں پر ہی گامزن رہے۔

احوال و مقامات

احوال ومقامات کا آغاز

صوفیائے کرام کے قلوب پر مختلف قسم کے معانی و خواطر کا ورود ہوتا رہتا ہے اصحاب تصوف اور سالکین اس بات پر متفق ہیں کہ ان میں سے بعض کو احوال کا نام دیا جائے اور بعض کو مقامات کا یہی اوصاف واحوال جب ثابت ہو جائیں اور سالک کی زندگی کا لازمی جز بن جائیں تو ان کو مقام کہتے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سونے کی زردی کی مثل ہے جو ہمیشہ باقی رہتی ہے زائل نہیں ہوئی لیکن اگر یہی چیز عارضی اور سریع الزوال ہو۔ تو اس کو حال کہتے ہیں اور یہ اس زردی کی مانند ہے جو خوف کے وقت طاری ہوتی ہے یا وہ پیلے پن کی مانند ہے جو بحالت بیماری لاحق' اور بحالت صحت زائل ہو جاتی ہے۔ ان مقامات کے حصول کیلئے انسان کو' نفس اور شیطان کے وسوسے سے بچنے کیلئے مجاہدے کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔

ابو نصر طوسی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ مقام کا معنی بندے کا اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عبادات' مجاہدہ اور ریاضت کا بجالانا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ (ابراہیم: 14)

ترجمہ: "یہ اس کیلئے ہے جو میرے حضور کھڑا ہونے سے ڈرے اور میں نے جو

عذاب کا حکم سنایا ہے اس سے خوف کرے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (الصافات: 164)

ترجمہ: اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں ہر ایک کا ایک مقام معلوم ہے

امام طوسیؒ کے نزدیک مقام سے مراد وہ شے ہے جو بندے کو توبہ، زہد اور ورع سے حاصل ہوتی ہے۔ امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ مقام سے مراد ادب کی وہ منزل ہے جو محنت مشقت اور تکالیف برداشت کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ احوال من جانب اللہ عطا ہوتے ہیں اور مقامات محنت و مشقت سے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام قشیری اپنے استاد امام طوسی کے ساتھ متفق ہیں کہ انسان کو مقام، محنت و مشقت سے حاصل ہوتا ہے کوشش اور عملِ پیہم کے بغیر یہ چیز حاصل نہیں ہوتی۔ سالک کسی مقام کو اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنے نفس کو ہر اس چیز سے پاک نہ کردے جو اس کو اپنے رب سے غافل کردے اور دل کو غیر اللہ سے خلاصی دلا دے جب بندہ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب پر دوام اختیار کرتا ہے۔ تو وہ بہت سے مقامات طے کرتے ہوئے معرفتِ الٰہی تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ توفیقِ ربانی کے ساتھ ساتھ بندے کا محنت اور کوشش کرنا مقام کہلاتا ہے۔

امام شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام میں اس بات کا چرچا ہے کہ مقامات محنت اور کوشش سے حاصل ہوتے ہیں اور احوال عطاء خداوندی سے۔

امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "مقام" انسان کو زہد، توبہ، تقوی اور ورع سے حاصل ہوتا ہے ان کا خیال ہے کہ حال کا درجہ مقام سے پہلے ہے حال رفتہ رفتہ مقام کی صورت اختیار کر لیتا ہے ان کے نزدیک بندہ مقام کو اس وقت حاصل کرتا ہے جب مجاہدۂ نفس پر دوام حاصل کرلے اور اپنے

قلب و نفس کو دنیاوی مشاغل سے باز رکھے۔ اپنے رب کے ذکر پر دوام اور ماموراتِ پر عمل پیرا ہو۔ توکل اور اس کی قضا پر راضی اور مصائب پر صابر رہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کرے اور آپ کی سنت کو لازم سمجھے، تو اس پر تجلیات الٰہیہ کا ظہور اور عنایات ربانیہ کا نزول ہوتا ہے اس وقت وہ مقام میں رسوخ حاصل کرلیتا ہے۔

حال

ابونصر طوسی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حال سے مراد وہ کیفیت ہے جو دل پر وارد ہوتی ہے یا وہ کیفیت ہے جس کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے جس کی وجہ سے صاحبِ حال کو ذکر واذکار میں لذت محسوس ہونے لگتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حال سے مراد وہ کیفیت ہے جو دلوں پر طاری ہوتی ہے لیکن دائمی نہیں ہوتی۔

امام قشیری رحمتہ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں "حال وہ معنی ہے جو دلوں پر وارد ہوتا ہے اور صاحبِ دل کے کسب، قصد اور محنت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔" عارف باللہ احمد ابن عجیبہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مجاہدے میں جسم کی حرکت کو اعمال، محنت و مشقت میں حرکت قلب کو احوال اور سکون قلب کو مقامات کہتے ہیں"۔

امام سہروردی حقیت حال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں حال کو اس لئے حال کہا جاتا ہے کیونکہ یہ تغیر پذیر ہوتا اور مقام کو اس لئے مقام کہتے ہیں کیونکہ اس میں دوام اور ثبوت ہوتا ہے۔

امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "احوال وہ عطایائے خداوندی ہیں جن کیلئے محنت اور کسب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ پاکیزہ دل والوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ احوال عطایائے خداوندی ہیں جو دائمی نہیں بلکہ

تغیر پذیر ہیں۔ اسی لئے کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ حال اپنے نام کی طرح ہے یعنی جیسے ہی دل میں وارد ہوتا ہے ایسے ہی زائل ہو جاتا ہے

لو لم تحل ماسمیت حالا
وکل ماحال فقد زالا

ترجمہ : "اے حال! اگر تو تغیر پذیر نہ ہوتا تو تیرا نام حال نہ رکھا جاتا اور ہر وہ چیز جو تغیر پذیر ہے زائل ہو جاتی ہے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا

خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ

ترجمہ : بہترین ذکر، ذکر خفی ہے۔ (الحدیث)

کہا گیا ہے کہ حال سے مراد ذکر خفی ہے۔

امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حال، مقام سے مقدم ہے مقام کیلئے حال کا پایا جانا ضروری ہے اور حال جب دوام اور استقرار کی صفت سے مزین ہو جائے تو مقام بن جاتا ہے امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ کو توبہ، زہد، تجرید اور خوف ورجاء میں سے بہت سے احوال ومقامات حاصل تھے لیکن آپ کی توجہ ان سے اعلی مقامات اور درجات کی طرف تھی۔ عنایات ربانیہ اور توجہات الہیہ سے آپ کو یہ تمام درجات حاصل ہوئے اور آپ عبد مخلص کے مقام پر فائز ہو گئے جس کا مطلوب ومقصود صرف ذات باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

مقام توبہ

اللہ جل مجدہ نے ارشاد فرمایا:

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (النور:۳۱)

ترجمہ: اور اللہ کی طرف توبہ کرو، اے مسلمانو! سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔ (کنزالایمان)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ

ترجمہ: ندامت ہی توبہ ہے۔ (الحدیث)

ابو یعقوب سوسی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں "مقاماتِ طریقت میں پہلا مقام توبہ ہے۔" امام سوسی سے توبہ کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا توبہ ہر اس چیز سے رجوع کا نام ہے جو قابل مذمت ہو۔

سہل بن عبد اللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ نے توبہ کے متعلق سوال پر فرمایا "تیرا اپنے گناہوں کو نہ بھولنا توبہ ہے"

شیخ جنید بغدادی رحمتہ اللہ نے فرمایا توبہ گناہ کو بھولنے کا نام ہے۔ امام طوسی فرماتے ہیں کہ شیخ سوسی نے توبہ کے متعلق جو بیان کیا ہے اس سے مراد ابتدائی مریدین اور سالکین طریقت کی توبہ ہے کیونکہ مبتدین کی توبہ پختہ نہیں ہوتی اسی لیے سہل بن عبد اللہ تستری رحمتہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ گناہ کو

نہ بھولنے کا نام توبہ ہے اور جنید بغدادی رحمتہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ توبہ 'گناہوں کو بھولنے کا نام ہے تو یہ محققین کی توبہ ہے کیونکہ ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی عظمت غالب ہوتی ہے اس لیے وہ گناہوں کو یاد نہیں کرتے۔

عربی زبان میں توبہ کا معنی "لوٹنا" ہے۔ کہا جاتا ہے "تَابَ فُلَانٌ" فلاں آدمی لوٹا' اور توبہ' ہر اس چیز سے رجوع کا نام ہے جو شرع میں مذموم ہو۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں " ستار العیوب اور علام الغیوب کی طرف رجوع کر کے گناہوں سے توبہ سالکینِ طریقت کی ابتداء' منزل تک پہنچنے والوں کا سرمایہ' اور مریدین کا پہلا قدم ہے۔"

امام سہروردی رحمتہ اللہ علیہ امام غزالی رحمتہ اللہ کے ساتھ اس بات میں متفق ہیں کہ توبہ ہر مقام کی اصل اور ہر حال کا سہارا اور ہر خیر کی چابی ہے اور یہ مقاماتِ طریقت میں سے سب سے پہلا مقام ہے اور یہ عمارت کیلئے زمین کے قائم مقام ہے۔

توبہ' اور توبہ کے آثار و نتائج

(۱) : ظاہری گناہوں سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے یعنی زیادتی ظلم اور غضب وغیرہ سے

(۲) : اسی طرح باطنی گناہوں سے بھی چھٹکارا حاصل ہوتا ہے اس سے مراد حقد' حسد' بد خلقی وغیرہ ہے

امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک توبہ سالک کے لئے ایک نئی چیز ہے اس سے بندہ اپنے رب کی بارگاہ میں رجوع کرتا ہے' اور اپنے قلبی خواطر کی طرف توجہ دیتا ہے اور خوابِ غفلت سے بیدار ہوتا ہے جب بندہ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے اور ہر شے سے کٹ کر اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کی روح صاف اور دل پاکیزہ ہو جاتا ہے اس کی بصیرت کی آنکھ روشن ہو جاتی ہے

اور وہ اپنے رب کے نور سے روشنی حاصل کر کے اپنے مولیٰ کی معرفت حاصل کرلیتا ہے اور یہ مقامات طریقت میں پہلا مقام ہے۔

امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک توبہ کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر اس چیز سے رجوع کرنا جو مذموم ہے اس چیز کی طرف جو شرعاً محمود ہو یعنی پہلے کبائر سے پھر صغائر سے پھر مکروہات سے پھر نیکیوں میں ریاء سے' اور پھر اس گمان سے توبہ کرنا کہ اس کا شمار زمانہ کے فقراء میں ہوتا ہے۔

ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عوام کی توبہ گناہوں سے اور خواص کی توبہ غفلت سے۔

امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "میں نے محمد بن احمد' اور انہوں نے عبد اللہ بن محمد تمیمی سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ گناہوں اور غفلتوں سے توبہ کرنے والوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے

امام شعرانی فرماتے ہیں "مرید صادق دن رات اپنی حرکات و سکنات پر کثرت سے استغفار کرتا ہے اور اس کے لئے برابر ہے کہ وہ جانے کہ اس نے گناہ کیا ہے کہ نہیں

اللہ جل مجدہ نے فرمایا۔ ۳

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ

(آل عمران: ۱۳۵)

ترجمہ : اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور گناہ کون بخشے سوا اللہ کے اور اپنے کئے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں۔ (کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ (الھود: ۱۱۲)

ترجمہ : تم قائم رہو جیسا تمہیں حکم ہے اور جو تمہارے ساتھ رجوع لایا ہے (کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو استقامت کا حکم فرمایا اور آپ کو اپنی امت سمیت توبہ کا حکم فرمایا۔

امام شعرانی فرماتے ہیں "توبہ میں استقامت اور اس کے سچے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بندہ اپنے دل میں ایسی لذت پائے جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اور جو انسان توبہ کے بعد اپنے دل میں لذت نہیں پاتا وہ جھوٹا ہے اسے چاہیے کہ وہ از سرنو توبہ کرے کیونکہ توبہ کا دروازہ ہروقت ہرایک کے لئے کھلا ہے۔"

امام قشری رحمتہ اللہ علیہ شیخ ابوعلی دقاق سے روایت کرتے ہیں کہ کسی مرید نے توبہ کی پھر کچھ عرصہ بعد گناہوں میں ملوث ہوگیا پھرایک دن سوچنے لگا کہ اگر وہ دوبارہ توبہ کرے تو کیا اس کی توبہ قبول ہوگی۔ غیب سے نداء آئی۔ تو نے ہماری اطاعت کی تو ہم نے تیری اطاعت کو قبول کرلیا پھرجب تم نے ہمیں چھوڑ دیا تو ہم نے تمہیں مہلت دے دی۔ اور اگر اب پھرہماری بارگاہ میں توبہ کروگے تو ہم قبول کرلیں گے۔

امام شعرانی رحمتہ اللہ تعالیٰ بھی اس روایت کی تائید کرتے ہیں۔ اور توبہ کرنے والے کو مژدہ جانفزا سناتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعاً" (الزمر:53)

ترجمہ :۔ اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ (کنزالایمان)

امام شعرانی کے نزدیک توبہ از سرِنو اسلام لانا ہے اور اسلام ماقبل گناہوں کو ختم کردیتا ہے اس طرح حقیقتِ توبہ میں ایک نئی بات کا اضافہ کرتے ہیں اور اس جدید بات سے مرید کو ہراس بات سے دور کرنا ہے جو اس کو اپنے

رب سے غافل کردے۔ تاکہ وہ کسی حالت میں اپنے رب سے غافل نہ ہو۔ توبہ کرنے والا اپنے رب کی بارگاہ میں رجوع کرتا ہے جب توبہ صحیح ہو تو انابت صحیح ہو جاتی ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "جب بندہ سچے دل سے توبہ کرلیتا ہے تو منیب بن جاتا ہے کیونکہ انابت توبہ کا دوسرا درجہ ہے۔" ابو سعید قرشی فرماتے ہیں کہ منیب وہ ہوتا ہے جو ہر اس چیز سے رجوع کرے جو اسے اپنے رب سے غافل کردے۔

بندے کا اپنے تمام احوال میں رب کی طرف رجوع کرنا توبہ ہے۔ اپنے ہر ہر سانس میں اور دل کی ہر ہر دھڑکن میں رب کو یاد کرتا ہے اور اسے نہیں بھولتا۔ جب بندہ اس مقام کو حاصل کرلے تو اسے مقام زہد حاصل ہوتا ہے کیونکہ توبہ نفس کو پاک کرتی ہے دل کے آئینہ کو جلا بخشتی ہے۔ سالک دنیا کے فساد کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے اس لیے اس کو زہد حاصل ہو جاتا ہے اور جس کے پاس زمین ہی نہ ہو عمارت کیسے تعمیر کرے گا۔ اسی طرح جس کی توبہ نہ ہو۔ اس کا نہ کوئی حال ہے اور نہ مقام۔

وہ کہتے ہیں کہ ابتداء میں توبہ کو کچھ امور کی ضرورت ہوتی ہے انہیں امور میں سے نفس کو زجر و توبیخ کرنا ہے اور یہی نفس کی کنجی ہے اور دوسرا امر احتیاط اور بیداری ہے ابو داؤد نے فرمایا بیداری کی پانچ علامتیں ہیں۔

"جب اپنی ذات کا ذکر آئے تو وہ اللہ کی طرف رجوع کرے اور جب اپنے گناہوں کو یاد کرے تو استغفار کرے جب دنیا کا ذکر کرے تو اس سے عبرت حاصل کرے اور جب آخرت کا ذکر آئے تو شاداں و فرحاں ہو جائے اور جب مولا کا ذکر آجائے تو رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔"

امام شعرانی کے نزدیک توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے اکثر احوال میں اپنے دل کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرے تاکہ اپنے رب اور نفس سے غافل نہ ہو جائے توبہ کا یہ کمال ہے کہ شب و روز کے کیے ہوئے گناہوں کو وہ

اس طرح حرفِ غلط کی طرح نیست و نابود کر دیتی ہے جس طرح کلمہ شہادت شرک کو ختم کردیتا ہے اور صوفیائے کرام کے نزدیک توبہ ہراس چیز سے رجوع کرنا ہے جو مذموم ہو۔

یہ مومنین کی صفت ہے اور پہچان بھی اور پاکیزگیٔ دل کا سامان کیونکہ مومن توبہ کی وجہ سے اپنے دل کا محاسبہ کرتا ہے۔

مقام زہد

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے!

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ (القصص: ۸۰)

ترجمہ : اور بولے وہ جنہیں علم دیا گیا۔ خرابی ہو تمہاری اللہ کا ثواب بہتر ہے (کنزالایمان)

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب تم دیکھو کہ دنیا میں کوئی شخص زہد اور سلیقہ گفتگو سے بہرہ ور ہے تو اس کے قریب ہو جاؤ کیونکہ وہ حکمت کی تعلیم دے گا۔" قول ماثور ہے کہ جو دنیا میں چالیس دن زہد اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت کے چشمے رواں کر دیتا ہے اور اس کی زباں کو حکمت کے ساتھ کھول دیتا ہے زہد کے بارے میں صوفیائے کرام اور علماء کرام کی بہت سی آراء ہیں۔ ہر ایک اپنے مقام اور مشرب کے مطابق اس کی تعریف کرتا ہے

(۱) امام طوسی کا قول

زہد بڑا ہی عظیم مقام ہے اور یہ اعلیٰ مراتب اور پسندیدہ احوال کی بنیاد ہے جس کی بنیاد زہد میں محکم نہ ہو اسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ دنیا کی محبت ہر خطا کی اصل ہے اور دنیا میں زہد ہر اچھائی اور خیر کی اصل ہے (کتاب اللمع ص ۷۲)

(۲) کسی بزرگ نے فرمایا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کثرت صوم وصلوٰۃ سے ہی سبقت نہیں لے گئے بلکہ وہ دنیا

میں زہد کے اعلیٰ ترین مقام پر بھی فائز تھے

(۳): جنید بغدادیؒ کا قول

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا' تو آپ نے فرمایا زہد یہ ہے کہ تو دنیاوی املاک سے ہاتھوں کو خالی کر دے۔ اور دل کو برے خیالات سے محفوظ کرے

(۴) شیخ شبلیؒ کا قول

"حقیقی زہد" دنیا میں موجود نہیں کیونکہ یا' تو زہد اس چیز میں ہو گا جو اس کی اپنی نہیں' تو یہ زہد نہیں کہلاتا۔ یا اس چیز میں زہد اختیار کرے گا جو اس کی اپنی ہے۔ تو اس چیز میں زہد کیسے ہو گا جو اس کے پاس ہے۔

(۵) امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان

فرماتے ہیں کہ دنیا سے اعراض اور آخرت کی رغبت کا نام زہد ہے۔

یا غیر اللہ سے اللہ کی طرف رجوع زہد کہلاتا ہے اور یہ زہد کا بلند ترین درجہ ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے اس قول کی موئید ہے

"آپ ﷺ نے حضرت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا"

كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَا حَارِثَةُ؟ اے حارثہ! تو نے کیسے صبح کی؟ قال اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا۔ عرض کی۔ میں نے خالص مومن ہونے کی حالت میں صبح کی۔ آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ ہر حق کی حقیقت ہوتی ہے۔ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔ انھوں نے عرض کی کہ میرا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا ہے۔ میرے نزدیک سونا اور پتھر برابر ہیں۔ گویا کہ میں اہل جنت کی طرف دیکھ رہا ہوں' وہ ناز و نعم میں ہیں۔ اور اہل نار کو دیکھ رہا ہوں کہ ان کو عذاب دیا جا رہا ہے۔ گویا کہ میں اپنے رب کے عرش کو ظاہر دیکھ رہا ہوں۔ اس کیلئے میں نے راتیں قیام میں اور دن صیام میں گذارے

ہیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تم نے حقیقت کو پالیا ہے پس اس کو لازم پکڑو (الحدیث)

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث پاک کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ حضرت حارثہ ؓ نے اپنے ایمان کی حقیقت کا اظہار کیا اور دنیا سے اعراض کرنے کے ساتھ پھر یقین کو ایمان کے ساتھ ملا دیا۔ حضور ﷺ نے ان کی تصدیق فرمائی، اور ارشاد فرمایا

عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ حارثہ وہ بندہ ہے کہ اللہ نے جس کا دل نور (ایمان) سے منور اور تاباں کر دیا ہے۔

جب نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ

اور اللہ جسے راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے میں شرح کا معنی کیا ہے؟

ارشاد فرمایا اس سے مراد وہ نور ہے جو دل میں اتر جاتا ہے تو وہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ اور کھل جاتا ہے۔ عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ اس کی کوئی علامت ہے؟ فرمایا ہاں، دارِ غرور (دنیا) سے پہلو تہی کرنا، اور دار خلود (آخرت) کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اور قبل از موت اس کی تیاری کرنا ہے۔

اس حدیث پاک میں قابل غور بات یہ ہے حضور ﷺ نے زہد کو اسلام کے لئے شرط قرار دیا۔

امام شعرانی رحمتہ اللہ کے نزدیک زہد کے تین مراتب ہیں:-

(ا) پہلا مرتبہ = یہ ہے کہ بندہ حرام اور مشتبہات سے پہلو تہی کرے۔ خالص حلال کی تلاش کرے۔ پھر امام شعرانی سالکین کے لئے اپنے اس مقام زہد کو بیان کرتے ہیں جو انہیں اپنی زندگی میں پیش آیا۔ فرماتے

ہیں کہ میں زہد کے اس مقام تک پہنچ چکا ہوں کہ اگر آسمان سونا برسادے اور لوگ اپنی جھولیاں بھرنے لگیں تو میرا ایک بال بھی حرکت نہ کرے۔ "اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ پر روز جزاء کا انتہائی خوف طاری تھا" اسی طرح اگر میں سونے چاندی کے پہاڑوں سے گذروں تو ایک دن کی قوت لایموت سے زیادہ ایک دینار بھی نہ اٹھاؤں۔ لوگ مجھے سونا' چاندی' اور کپڑے پیش کرتے ہیں۔ کبھی تو میں انہیں لوٹا دیتا ہوں اور کبھی غرباء و مساکین کیلئے صحن میں پھینک دیتا ہوں۔ فقراء و مساکین اس کو اٹھالیتے ہیں

فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سونا' مٹی' چاندی' اور پتھر' فقر و غنا اور منع و عطا' سب برابر ہیں

(۲) دوسرا مرتبہ:

یہ ہے کہ انسان دنیا سے زہد اختیار کرے اور اس کو ناپسند کرے اس وجہ سے کہ یہ اللہ کے ہاں مبغوض ہے نہ کسی اور سبب سے یعنی راحت بدن یا تخفیف حساب۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی اے داؤد! تم نے دنیا میں جو زہد اختیار کیا ہے تو یہ اپنے نفس کیلئے راحت کو جلد حاصل کیا ہے اور جو تو نے مجھے ہی مرکز التفات بنایا ہے اس کی وجہ سے تو میرے بندوں پر معزز ہوگیا ہے لیکن تم یہ بتاؤ' کیا تم نے میرے کسی دوست یا کسی دشمن سے دشمنی کی ہے۔

امام شعرانی رحمہ اللہ کے نزدیک جو شخص دنیا میں اخروی نعمتوں کے حصول کیلئے زہد اختیار کرتا ہے وہ کامل زاہد نہیں۔ کیونکہ اس نے فانی زندگی کے عوض باقی اور دائمی کو حاصل کرلیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے سودے بازی کرلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا معاملہ خالص نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ اس وقت خالص ہوتا ہے جب دنیا اور

آخرت کی کسی چیز کو اپنی ملک نہ سمجھے۔

(۳) تیسرا مرتبہ:

زہد کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ ماسوٰی اللہ کو ترک کردے یعنی اللہ کے سوا ہر چیز سے زہد اختیار کرے دنیا کو کلیتاً ترک کر کے اللہ کی بارگاہ میں رجوع کرے۔ اپنے ارادے اور اختیار کی نفی کرے۔ اس کے نزدیک عزت اور ذلت، شہرت و گمنامی، مدح و ذم، بلندی و پستی برابر ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "میں تمہیں حق بات کہتا ہوں کہ دنیا کی محبت ہر خطا کی اصل ہے اور مال بہت بڑی بیماری ہے۔ حواریوں نے عرض کی کہ مال کی بیماری کیا ہے؟ فرمایا کہ اس کا حق ادا نہیں کیا جاتا۔ عرض کی کہ اگر اس کا حق ادا کر دیا جائے۔ فرمایا اس میں فخرو تکبر ہوتا ہے۔ عرض کی، اگر اس میں فخرو تکبر نہ ہو۔ فرمایا، مال کی مشغولیت، بندے کو ذکر اللہ سے غافل کر دیتی ہے۔

(۴) چوتھا مرتبہ:

زہد کا مرتبہ چہارم یہ ہے کہ بندہ ہر اس چیز کو ترک کر دے جو اس کو اپنے رب سے غافل کر دے۔ اس کے پاس دنیا تو ہو لیکن اس کا دل اس کی طرف نہ ہو کیونکہ: ازهد فی الدنیا یحبک الله، کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر تیرے دل میں کسی چیز کی محبت نہ ہو۔ نہ کہ تو اس مال کو بھی ترک کر دے جس کے ساتھ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی پرورش کر سکے۔ کیونکہ یہ بات سلف صالحین کے عمل کے منافی ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو رزق حلال کی تلاش میں کوشاں رہتے ہیں لیکن ان کا دل دنیا کی طرف مائل نہیں ہوتا ارشاد باری تعالیٰ ہے

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور: ۳۷)

ترجمہ: وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی

یاد سے (کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مسائل تجارت کو قابل ستائش گردانا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کی تجارت ان کو ذکر اللہ سے غافل نہیں کرتی۔

امام شعرانی رحمتہ اللہ کے نزدیک زہد کا جو مفہوم ہے بعینہ وہی مفہوم شاذلیوں کے نزدیک ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب دل متاعِ دنیا کی طرف مائل نہ ہو تو فقیروں اور محتاجوں پر خرچ کرنے کیلئے سعی حصولِ مال ممنوع نہیں۔

عارف باللہ امام ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "دنیا میں زہد اختیار کرنے والے کو دو مرتبہ ثواب ملتا ہے۔

پہلی مرتبہ:

جب وہ دنیا کی محبت کے باوجود اسے ترک کر دیتا ہے۔

دوسری مرتبہ:

جب اس کو ترک کرنے اور اس کی محبت دل سے نکلنے کے بعد اسے دوبارہ پاتا ہے جب دنیا کو ترک کرتا ہے۔ تو اللہ کے حکم سے۔ اور جب اسے اختیار کرتا ہے تب بھی اللہ کے حکم سے۔ زبان معرفت اور حقیقت اسے مخاطب کرتی ہے' اے مومن! تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ وہ کہتا ہے یہ میری دنیا ہے۔ جس کو اپنی ذات اہل و عیال اور بھائیوں پر خرچ کرتا ہوں۔ اسے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے اسے پھینک دو۔ وہ اسے پھینک دیتا ہے۔ اور یہ دنیا اس کے نزدیک رینگتے ہوئے سانپ کی مانند ہے۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارک سانپ بن گیا تھا۔ پھر دوبارہ مومن کو کہا جاتا ہے کہ اس دنیا کو اختیار کر لو اور نہ ڈرو۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واقعہ پیش آیا۔ تو مومن ان دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ اس میں اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

ان اہل طریقت کے نزدیک زہد' دل سے دنیا کا خیال نکال دینے کا نام ہے۔ اس

کے بعد اگر ان کے پاس متاعِ دنیا ہو تو یہ چیز ممنوع نہیں۔ کیونکہ جب تک وہ دنیا میں ہے۔ اسے زندگی گزارنے کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ باعزت زندگی گزار سکے' دوسروں پر بوجھ نہ بنے۔ دنیا کی محبت اس وقت مذموم ہے۔ جب نفسانی خواہشات کی وجہ سے ہو۔ اگر اللہ کی محبت سے کوئی اس سے محبت کرے تو قابل مذمت نہیں۔ بلکہ شرعاً محبوب ہے۔ اسی وجہ سے بعض اولیاء کرام مال سے بہت محبت کرتے' تاکہ اللہ کی راہ میں اسے خرچ کریں۔ نہ کہ اللہ کے بندوں پر بخل کریں۔ کسی بزرگ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ مال سے محبت اس لئے کرتا ہوں تاکہ لذت اطاعت الٰہی کا حصول ہو۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (الحدید:۱۸)

ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو۔

اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب اہل ثروت اور اہل غنا کے لئے ہے۔ امام سہروردی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' "زاہد جب اپنی مرضی اور ارادت سے زہد اختیار کرتا ہے تو اس کے ارادے کا تعلق اس کے علم سے ہوتا ہے حالانکہ اس کا علم کوتاہ ہوتا ہے۔ لیکن جب اس کو ترکِ ارادہ کے مقام پر لایا جاتا ہے تو اپنے اختیارات کو ترک کر دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس پر اپنے مقصد کا انکشاف کر دیتا ہے تو وہ اللہ کے حکم سے اسے ترک کر دیتا ہے' نہ کہ نفس کے حکم سے۔ اس وقت اس کے زہد کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہی ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا' کہ اللہ تعالیٰ کا مقصد و منشا یہی ہے کہ وہ دنیا کی کسی چیز سے وابستہ ہو جائے جب اس کا تعلق دنیا کی کسی چیز سے ہوتا ہے تو اس کے زہد میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح امام شعرانی اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا موقف ایک ہی ہے' کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے

آپ نے فرمایا۔ "زہد کے تین درجات ہیں۔

۱۔ ترک حرام:۔

یہ عوام کا زہد ہے۔

۲۔ حلال اشیاء میں فضول کا ترک کرنا:

اور یہ خواص کا زہد ہے

۳۔ رب سے غافل کرنے والی ہر چیز کا ترک کرنا:

اور یہ عارفین کا زہد ہے

عارف باللہ علی بن وفار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تَرَحَّلَ عَنْ مَقَامِ الزُّهْدِ قَلْبِیْ
فَاَنْتَ الْحَقُّ وَ حْدَکَ فِیْ شُهُوْدِیْ
اَلزُّهْدُ فِیْ سِوَاکَ وَ لَیْسَ شَیْءٌ
اَرَاهُ سِوَاکَ یَا سِرَّ الْوُجُوْدِ

(لطائف المنن)

ترجمہ:۔ "میرا دل مقام زہد سے کوچ کر گیا۔ میرے شہود میں فقط تو ہی ہے۔"

تیرے بغیر کس چیز میں زہد اختیار کروں۔ حالانکہ اے سروجود! تیرے بغیر کوئی شے نظر ہی نہیں آتی۔

جب بندہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو صوفیائے کرام کے نزدیک زہد در زہد کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اپنے ارادے اور اختیارات کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ اس کے نزدیک وجود دنیا اور اس کا عدم برابر ہو جاتے ہیں۔ نہ وہ دنیا کی مذمت کرتا ہے اور نہ ہی وہ تعریف کرتا ہے۔ جب اسے دنیا حاصل ہوتی ہے۔ تو وہ خوش نہیں ہوتا اور جب دنیا اس سے منہ پھیر لے تو وہ غم نہیں کرتا۔ اس کا ارادہ تدبیر کے تابع ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور اختیار سے کسی چیز کو چاہتا اور اختیار کرتا ہے۔ تصفیۂ ظاہر و باطن کے بعد بالآخر وہ مقام تجدید تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

مقام تجرید

صوفیائے کرام کے نزدیک تجرید کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) تجرید ظاہر۔ (۲) تجرید باطن (۳) تجرید ظاہر و باطن

تجرید ظاہر

اس سے مراد دنیاوی اسباب اور جسمانی فوائد کو ترک کرنا ہے۔

تجرید باطن:

اس سے مراد نفسانی علائق اور وہمی رکاوٹوں کو ترک کرنا ہے۔

(۳) تجرید ظاہر و باطن:

اس سے مراد باطنی علائق اور جسمانی لذات سے کنارہ کشی کرنا ہے۔

یا تجرید ظاہری کا مفہوم یہ ہے کہ ہر اس چیز کو ترک کرنا جو اطاعت خداوندی سے مانع ہو۔ تجرید باطن کا معنی یہ ہے ہر اس چیز کو ترک کرنا جو دل کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے روکے اور تجرید ظاہر و باطن کا مفہوم یہ ہے کہ دل اور جسم کو اللہ تعالٰی کے لئے خاص کر دیا جائے۔

امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' "مجھے تجرید باطن کا مقام حاصل ہو گیا ہے اور اللہ کے فضل و احسان سے دنیا کی کسی چیز کی خواہش باقی نہیں رہی۔ اور نہ ہی کسی چیز کے ملنے پر افسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ کائنات کی کوئی شے میری ملکیت میں نہیں۔ پس جس شخص کی یہ حالت ہو جائے' وہ مقام

تجرید پر فائز ہو جاتا ہے؟

جب بندہ دنیا سے قطع تعلق کرے اور کلیتہً دل سے اس کا خیال نکال دے۔ اور ترک دنیا پر اسے کوئی افسوس نہ ہو۔ اور یہ جان لے کہ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے۔ وہی عطا کرتا ہے اور وہی محروم کرتا ہے۔ اور اسی کے قبضہ قدرت میں عزت و ذلت ہے۔ جو بندہ اس کیفیت کو حاصل کر لے تو وہ مقام تجرید پر فائز ہو جاتا ہے۔

امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک تجرید کے دو مرحلے ہیں۔

ا۔ پہلا مرحلہ لباس ظاہری سے تجرید کا ہے۔ لباس ظاہری سے تجرید کم فہم لوگوں پر بہت شاق گزرتی ہے۔ کیونکہ وہ ڈرتے ہیں کہ لوگ انہیں حقیر اور مجنوں کہیں گے۔ جیسا کہ ابتدائے مجاہدہ میں مجھے اس کا تجربہ ہوا ہے لیکن جب سالک اس مقام میں پختہ فکر ہو جاتا ہے اور اس کے نزدیک بھوک' اور سیر شکمی' لباس اور عدم لباس برابر ہو جاتا ہے تو لباس ظاہری سے تجرید آسان ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے لئے دونوں حالتیں برابر ہو جاتی ہیں۔

دوسرا مرحلہ:

دوسرا مرحلہ لباس ظاہری کو اختیار کرنے کا ہے امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ لباس ظاہری کی تجرید کے بعد انسان ایک اور مقام کی طرف ترقی کر جاتا ہے۔ جو کہ پہلے سے اعلیٰ ہے' اور وہ مقام اہل طریقت اور معرفت کی اتباع اور پیروی میں لباس ظاہری کو اختیار کرنا ہے۔ کیونکہ اس سے سالک شہرت اور ریاء سے محفوظ رہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُہْرَۃٍ فِي الدُّنْیَا اَلْبَسَهُ اللّٰہُ تَعَالٰی ثَوْبَ نَارٍ فِي الْآخِرَۃِ۔

(ابو داود۔ ابن ماجہ)

ترجمہ: "جس نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو آگ کا لباس پہنائے گا۔" (الحدیث)

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو لباس ظاہری سے تجرد کب حاصل کرنا چاہئے؟ امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اے سالک! تجھے لباسِ ظاہری سے تجرد کا حق اس وقت تک حاصل نہیں ہو گا جب تک پہلے دل کو نفسانی خواہشات 'صفاتِ مذمومہ' علائقِ دنیوی اور شیطانی صفات سے پاک نہ کرے۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا۔ تو تو ہلاکت کے گڑھے میں گر جائے گا۔ لیکن تجھے خبر تک نہ ہوگی۔ پس مقامِ تجرید صفاتِ مذمومہ اور شیطانی وساوس سے تطہیر کا نام ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ظاہر و باطن کو خالصتہً اللہ تعالیٰ کے لئے مختص کر دینا ہے۔ جب بندہ یہ مقام حاصل کر لیتا ہے تو مزید مجاہدے اور تصفیہ قلب سے مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے۔

مقام صدیقیت وشہادت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا"۔ (مریم:۵۶)

ترجمہ: "اور کتاب میں ادریس کو یاد کرو، بے شک وہ صدیق نبی تھے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ۔ (المائدہ:۷۵)

ترجمہ:۔ "اور ان کی والدہ صدیقہ تھیں، دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔"

صدیقیت بھی مقامات طریقت کا ایک مقام، اور مراتب ولایت کا ایک مرتبہ ہے۔ امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک صدیقیت تمام منہیات کو ترک کرنے کا نام ہے۔ جس نے تمام منہیات کو ترک کر دیا۔ اور موت کو یاد رکھا۔ اور مرغوب اشیاء کو چھوڑ دیا۔ درشتی طبع اور خواہشات نفسانیہ سے کنارہ کش ہوا۔ تو اسے استقامت حاصل ہو جاتی ہے۔

شریعت اوامر اور منہیات کا مجموعہ ہے۔ اوامر، بندے کی تربیت کے لئے ہوتے ہیں۔ تاکہ اس کے دل کے راستے کھل جائیں اور حجابات منکشف ہو جائیں اور اسے اپنے رب کا وصال حاصل ہو جائے۔ یہ اوامر خالق انسان کی طرف سے، انسان کے لئے ہوتے ہیں۔ تاکہ اس کے راستہ کو واضح اور متعین کریں۔ برائی کی نشاندہی اور رب تک پہنچنے کے لئے قریب ترین راستے کی نشاندہی کریں۔ یہ

اوامر رب کی جانب سے زمین پر بسنے والی مخلوق کے لئے ہوتے ہیں۔ تاکہ وہ عزم و ہمت سے اس کائنات کی تعمیر کریں۔ اپنی عقل سے زندگی کے پہیئے کو گھمائیں۔ اور اپنی روح کے ذریعے معرفت الٰہی کو حاصل کر سکیں۔ اس کے مقابلے میں شریعت کا دوسرا حصہ نواہی پر مشتمل ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے اس سے تجاوز نہ کرے دین نے جن چیزوں سے منع اور دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ عقل انسانی کبھی تو آسانی سے اس کو قبول کر لیتی ہے' کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس نے ان حدود سے تجاوز کیا جن کو شریعت نے مقرر کیا ہے تو اس میں اس کا نقصان ہو گا۔ کیونکہ وہ چیز منطق' تجربہ اور لوگوں کے عرف کے مطابق ہوتی ہے کہ انسانی منطق تجربہ اور لوگوں کے عرف کے مطابق ہوتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی ہماری عقلیں اس حقیقت کو پانے سے قاصر ہوتی ہیں۔ کہ انسانی منطق کے ذریعے کسی حقیقت تک پہنچ سکیں۔ لیکن ہم پر یہ لازم ہے کہ شریعت نے ہمیں جس چیز سے منع کیا ہے' اس سے منع ہو جائیں۔ کیونکہ دین کا تعلق انسانی عقل سے نہیں بلکہ وحی الٰہی سے ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں۔ "کہ اگر دین کا تعلق عقل سے ہوتا تو موزہ کے نچلے حصے پر مسح کرنا' اوپر والے حصے پر مسح کرنے سے اولیٰ ہوتا۔ لہٰذا بندے پر واجب ہے کہ وہ استقامت پر قائم ہو کر اپنے رب کے حکم کو بجا لائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ۔ (ھود: ۱۱۲)

ترجمہ: "تم قائم رہو جیسا تمہیں حکم ہے اور جو تمہارے ساتھ رجوع لایا ہے" (کنز الایمان)

سب سے بلند مقام صدیقیت حضرت ابوبکر الصدیقؓ کو حاصل ہوا' آپ کو مقامِ تسلیم اور تصدیق سے وافر حصہ ملا' اور حدیثِ پاک کی رو سے آپ پر "خلت" کا اطلاق ہوا۔

اللہ تعالیٰ آخرت میں اخلاء پر تجلی فرمائے گا۔ اور وہ محمد ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے: حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری مثال ابراھیم علیہ السلام کی طرح ہے۔" اس حدیث پاک میں جان' مال اور اولاد اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے سے جو مقام خلت حاصل ہوتا ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔

وہ مقام شہود جس کے حصول کے لئے امام شعرانی اعمال کے ذریعے حریص تھے۔۔ اس سے مراد تمام اوامر کا بجالانا ہے۔ اور اس کا اطلاق دین کے تمام احکام پر ہوتا ہے۔ سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس مقام پر فائز ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجود اس کے کہ آپ تمام احکام الٰہی پر عمل پیرا تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے جاتے اور فرماتے: تم رسول اللہ ﷺ کے رازدان تھے۔ اور تم منافقین کی تعداد کو جانتے ہو۔ دیکھو' کہیں مجھ میں نفاق کی کوئی علامت تو نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو ضرور بتاؤ۔ تو وہ عرض کرتے۔ یا امیرالمومنین! میں آپ میں نفاق کی کوئی علامت نہیں پاتا۔ آپ فرماتے: دقت نظر سے دیکھو تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ رو پڑتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ رونے لگ جاتے۔ اور اتنا روتے کہ غشی طاری ہو جاتی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو کے اس انداز سے روتے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس خوف سے روتے کہ کہیں ان میں نفاق کی علامت تو نہیں۔ جس کا انہیں علم نہیں ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ انہیں رضائے خداوندی اور حصولِ جنت کی خوشخبری کا بھی علم تھا۔

کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ (الفتح: ۱۸)

ترجمہ:۔ "بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے۔ جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کر رہے تھے۔

اور وہ یقیناً ان بیعت کرنے والوں میں تھے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس سے جہاد کیا۔

اور مقام شہود و صدیقین پر متمکن ہوئے۔ اور آپ پر ان مقامات کے آثار ظاہر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے کھانے میں برکت ڈال دی۔ اور اپنے غیب کے خزانوں سے رزق عطا فرمایا۔ اور نامعلوم امور کا الہام فرمایا۔ آپ جمادات کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت و رعایت حاصل تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۔

(یونس ۶۲، ۶۳)

ترجمہ:۔ سن لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں" (کنز الایمان)

اور صدیقیت کا تقاضا رضاء ہے۔

مقام رضا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:
وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللہِ اَکْبَرُ۔
اللہ کی خوشنودی سب سے بڑھکر ہے۔" (التوبہ:۱۱۹)
ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللہِ رَبًّا۔ (مسلم، ترمذی)
ترجمہ:۔ اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہو گیا۔ (الحدیث)
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ تمام تر بھلائی رضائے الٰہی میں مضمر ہے۔ اگر تم اس مقام کو حاصل کر سکتے ہو تو کر لو۔ ورنہ صبر کا دامن تھامو۔
امام ابو نصر سراج طوسیؒ نے فرمایا "رضا انتہائی عظیم مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر اپنی پاک کلام میں کیا ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:
رَضِیَ اللہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔
ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا، اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ (القرآن)

رضا معرفتِ خدا کا سب سے بڑا ذریعہ اور دنیا کی جنت ہے۔ رضا کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے سامنے بندے کا دل جھک جائے۔

ابن عطاء سکندری فرماتے ہیں' "رضا سے مراد یہ ہے کہ دل کی نظر اللہ جل شانہ کے اختیار پر ہو۔ کیونکہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا رب اس کے لئے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ پس وہ اس پر راضی ہو جاتا ہے نفس جب اللہ سے راضی ہو جائے تو اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس کے حکم کی اطاعت کرتا ہے۔ اور اس کی ربوبیت پر مطمئن اور اس کی الوہیت پر مکمل اعتماد کرتا ہے۔ اور اس کی قضاء و قدر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ عراق و خراساں کے صوفیاء کرام کا اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا رضا مقامات میں سے ہے یا احوال میں سے؟ اہل خراساں فرماتے ہیں کہ رضا کا تعلق مقامات سے ہے۔ اور توکل کی انتہاء رضا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ رضا منجملہ ان امور سے ہے جن تک بندہ اپنے کسب کے ذریعے پہنچ سکتا ہے لیکن اہلِ عراق فرماتے ہیں کہ رضا احوال میں سے ہے اور بندے کے کسب کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ بلکہ دوسرے احوال کی طرح دل پر بھی وارد ہوتی ہے۔ ان دونوں اقوال میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ رضا کی ابتداء کسب سے ہوتی ہے اس لئے یہ مقامات میں سے ہے۔ اور اس کی انتہا منجملہ احوال میں سے ہے۔ اور یہ اکتسابی نہیں ہے۔

ذوالنورین مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ رضا کی تین علامات ہیں۔ (۱) قضا سے پہلے اختیار کو ترک کرنا۔ (۲) قضا کے بعد کسی قسم کا افسوس نہ کرنا۔ (۳) مصائب میں حب الٰہی بڑھتے رہنا۔

رابعہ عدویہ اور حقیقتِ رضا:

امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں' سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے رابعہ عدویہ کے پاس ایک دن فرمایا: اے رب: ہم سے راضی ہو جا۔ توانہوں نے کہا

تمہیں اللہ سے حیاء نہیں آتی۔ کہ تم اس سے رضا کا سوال کرتے ہو۔ حالانکہ تم خود راضی برضا نہیں۔ تو انہوں نے فرمایا: اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ
حضرت جعفر بن سلیمان الضبعی نے فرمایا: کہ بندہ رب سے کب راضی ہوتا ہے۔ تو رابعہ عدویہ نے جواب دیا۔ بندہ اپنے رب سے اس وقت راضی ہوتا ہے۔ جب مصیبت میں ایسا خوش ہو جیسا وہ نعمت میں خوش ہوتا ہے۔ ابو سلیمان درانی کا قول بھی اسی کا مؤید ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ رضا یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ سے نہ جنت کا سوال کرے اور نہ نار جہنم سے پناہ مانگے۔
صوفیائے کرام کی ان آراء سے واضح ہو جاتا ہے کہ رضا ان کے نزدیک بندے کا اپنے آپ کو رب کے سپرد کر دینا اور اس کے ارادے کی مطلقاً اطاعت کرنا ہے۔ یعنی خالقِ زمین و آسمان اور مالکِ موت و حیات کی بارگاہ میں سر کو جھکا دینا اور فقر و غنا، منع و عطاء دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں متوجہ ہونا ہے۔
امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک رضا مقاماتِ سالکین میں سے ایک مقام ہے اور سالک تین مراحل کے عبور کرنے کے بعد اس کو حاصل کرتا ہے۔
پہلا مرحلہ:۔
یہ اس وقت متحقق ہوتا ہے کہ جب بندہ اپنے اوپر ہونے والی مشکلات کو ظاہر نہ ہونے دے۔ کسی سے بھی شکایت نہ کرے۔ چاہے دوست ہو یا دشمن۔ اور ہر مصیبت پر راضی برضا رہے۔ اور اسے ربِ قدوس کی نعمت شمار کرے۔ اس لئے امام شعرانی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔ کہ بندے کے لئے ضروری ہے کہ تمام مصائب و مشکلات چھپائے۔ اور کسی دوست دشمن کے آگے ظاہر نہ کرے۔ اور مخلوق کے سامنے شکوہ و شکایت نہ کرے۔ اگرچہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (الشوریٰ: ۴۳)

ترجمہ:۔ بے شک جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں۔ (کنزالایمان)

دوسرا مرحلہ: بندے کا پختہ یقین ہو کہ اس پر نازل ہونے والے مصائب و مشکلات تین صورتوں سے خالی نہیں ہیں۔

(۱) یہ مصائب اس کے گناہوں کے لئے کفارہ ہیں۔ (۲) کسی گزشتہ گناہ کی سزا ہیں۔ (۳) بلندی درجات اور نیکیوں میں اضافے کا باعث ہے۔

امام شعرانی اپنے ذاتی تجربہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے جسم پر پے درپے بہت سی تکالیف آئیں۔ میں نے ان تکالیف کو اللہ تعالیٰ کی نعمت خیال کیا۔ کیونکہ یہ تکالیف و مصائب اگر تو کسی گزشتہ گناہ کی سزا تھی۔ تو یہ بہتر ہے اور اگر یہ گناہوں کا کفارہ تھیں۔ تب بھی اچھا ہے۔ اگر بلندیٔ درجات کے لئے تھیں۔ تو یہ بھی خیر ہے۔ اس طرح کوئی بھی آزمائش تین صورتوں سے خالی نہیں۔ رابعہ عدویہ کا قول بھی اس کا مئوید ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ بندے کو رضا کا مقام کب حاصل ہوتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: جب بندہ مصیبت پر اس طرح خوش ہو جس طرح وہ نعمت پر خوش ہوتا ہے۔

تیسرا مرحلہ: سالک کے لئے مصیبت اور نعمت دونوں برابر ہوں۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ دونوں من جانب اللہ ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ (النساء:۷۸)

ترجمہ:۔ تم فرمادو سب اللہ کی طرف سے ہے۔ (کنزالایمان)

حضرت رویمؒ فرماتے ہیں۔ "رضا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جہنم دائیں ہاتھ پر رکھ دے تو وہ بائیں ہاتھ پر رکھنے کا سوال نہ کرے۔

شیخ ابوالحسن نوری فرماتے ہیں۔ "رضا یہ ہے کہ قضا کے واقع ہونے پر بندے کا دل خوش ہو۔"

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ جب میں مقام رضا پر فائز ہوگیا۔ مجھے اس بات کا یقین

ہو گیا تھا۔ کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ اور ہر مصیبت کی کوئی نہ کوئی انتہا و انجام ہے۔ کوئی چیز اس کے حکم کے بغیر آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ آزمائش کے اوقات' عافیت میں تنگی کے اوقات فراخی میں اور فقر کے اوقات غنا میں تبدیل نہیں ہو سکتے۔ اگر میں مقام رضا کو حاصل کرنے سے عاجز رہتا۔ تو صبر کرتا اور کشادگی کا انتظار کرتا۔ یہاں تک کہ اس کا وقت مقرر آجاتا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ بھی اس قول میں امام شعرانی کے ساتھ متفق ہیں۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ بندہ رضا کے مقام کو کب سے حاصل کرتا ہے' فرمایا: اس وقت جب وہ چار اصولوں پر عمل پیرا ہو۔ (۱) وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرے۔ اے باری تعالیٰ! اگر تو نے عطا کیا تو قبول کرلوں گا۔ (۲) اور اگر منع کیا تو تب بھی راضی رہوں گا۔ (۳) اور اگر تو نے اپنی بارگاہ میں دھتکار دیا۔ تب بھی تیری ہی عبادت کروں گا۔ (۴) اور اگر تو نے اپنی بارگاہ میں بلا لیا تو حاضر ہو جاؤں گا۔

ابن شمعون فرماتے ہیں کہ رضا کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اَلرِّضَا بِاللّٰهِ (۲) اَلرِّضَا لِلّٰهِ (۳) اَلرِّضَا عَنِ اللّٰه

۱۔ اَلرِّضَا بِاللّٰه:۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مدبر اور مختار تسلیم کرے۔

اَلرِّضَا لِلّٰهِ:۔ یہ ہے کہ اس کو قاسم اور صاحبِ عظمت و جلال مان لے۔

۳: اَلرِّضَا عَنِ اللّٰهِ:۔ یہ ہے کہ اس کو اپنا معبود اور پروردگار تسلیم کرے۔

ابو سعیدؒ سے پوچھا گیا کہ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ بندہ راضی بھی ہو اور ناراض بھی.... فرمایا:۔ ہاں ایسا بھی ممکن ہے کہ بندہ اپنے رب سے راضی ہو اور ہر اس چیز سے ناراض ہو جو بارگاہِ خداوندی سے دوری کا سبب ہے۔

اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ مخالف شرع پر اعتراض کرنا کیا رضا کے منافی تو نہیں ہے؟ امام شعرانی فرماتے ہیں بندے کے لئے ضروری ہے کہ تمام اعمال و افعال اللہ جل و علا کے سپرد کر دے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ چاہئے۔ کہ

مخالف شرع کام کرنے والے کو روکے۔ کیونکہ بندہ اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی اتباع کرنے والا ہے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ بندے پر واجب ہے کہ مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرے۔ اور اس پر راضی رہے اور اس بات کا خیال رکھے۔ کہ مخلوق کا کنٹرول اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مخلوق میں سے اگر کوئی حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرے اور اس کی مخالفت کرے۔ جب بندہ کسی کو کسی کام سے روکتا ہے۔ تو وہ اپنے اس فعل میں انبیاء و رسل علیہم السلام کی پیروی کرتا ہے۔ کیونکہ انبیاء اور رسل (علیہم السلام) نے بھی کفار کے ساتھ جہاد کیا باوجود اس کے کہ وہ جانتے تھے کہ ان کا کافروں کے خلاف جہاد کرنا اللہ تعالیٰ کی قضاو قدر ہے اور ان کے علم میں یہ بھی تھا کہ روز اول سے جو فیصلہ ان کے بارے میں صادر ہوا ہے۔ وہ اس سے متخلف نہیں ہو سکتے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ رضا بقضائے الٰہی کے بارے میں بہت سی آیات اور احادیث وارد ہیں۔ پس معصیت کو ناپسند کرنا رضائے الٰہی کو ناپسند کرنا ہے۔ اور ایک ہی شے میں رضا اور کراہت کو جمع کرنا کیسے ممکن ہے؟ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ معصیت کی دو جہتیں ہیں ایک جہت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حیثیت سے کہ یہ اس کا فعل اختیار اور ارداہ ہے اس اعتبار سے اس پر راضی برضا ہونا ضروری ہے کیونکہ بندے کو چاہئے کہ اس کارخانہ قدرت کو اس کے مالک کے سپرد کردے۔ وہ مالک جو کچھ بھی کرے اس پر راضی ہو جائے۔

دوسری جہت بندے کی طرف ہے اس حیثیت سے کہ وہ بندے کا کسب ہے اور اللہ کے نزدیک مبغوض اور ناپسندیدہ ہے اور اللہ جل جلالہ سے دوری اور ناپسندیدگی کا سبب ہے۔ اس اعتبار سے معصیت ناپسندیدہ اور مذموم ہے۔ اور مقامِ رضا محبت کا مقتضی ہے۔

مقام محبت

ارشاد رب ذوالجلال ہوتا ہے:

فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ۔ (المائدہ: ۵۴)

ترجمہ:۔ تو عنقریب اللہ تعالیٰ ایسے لوگ لائے گا۔ کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا۔ (کنزایمان)

اسی کے متعلق مزید ارشاد رب ذوالمجد ہوتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران:۳۱)

ترجمہ:۔ اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔ (کنزالایمان)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے معاذ بن جبل سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا' "اے اللہ! میں تجھ سے نیکی کرنے' برائی ترک کرنے اور مساکین کی محبت کا سوال کرتا ہوں' اور تیری رحمت اور مغفرت کا سوال کرتا ہوں۔ اور جب تو کسی قدم کو آزمانے کا ارادہ کرے تو مجھے بغیر کسی آزمائش کے ہی اپنی بارگاہ میں بلالے اور تجھ سے تیری محبت اور تیرے چاہنے والوں کی محبت اور ایسے عمل کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری محبت کے قریب

کردے۔ (الحدیث)

ابن ساریہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔ "نبی کریم ﷺ ان الفاظ سے دعا فرمایا کرتے تھے۔ اے اللہ! اپنی محبت کو میری جان، سمع و بصر، اور میرے اہل و عیال سے بھی زیادہ محبوب بنادے۔ حضور ﷺ آقائے دوجہاں نے اس حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے خالص محبت کا سوال کیا ہے۔ اور خالص محبت یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے محبت کی جائے۔ محبت اسلام کا جوہر اور اصل ہے۔ اور محبت ہی روحِ تصوف اور اس کا منبع ہے۔ اور محبت پر ہی اسلام کا دارومدار ہے۔ اور یہی اسلام کے انوار و تجلیات کا محور ہے۔

اور یہ انتہائی ضروری ہے کہ محبت خالصۃً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لئے ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (المائدہ: ۵۴)

ترجمہ: عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم لائے گا۔ کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا۔

(کنزالایمان)

فرمان رب ذوالجلال ہے:

يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ (البقرہ: ۱۶۵)

ترجمہ:۔ "وہ انہیں اللہ کی طرح محبوب رکھتے ہیں۔ اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں۔" (کنزالایمان)

صوفیائے کرام کا محبت کے حال یا مقام ہونے میں اختلاف ہے۔ امام طوسی فرماتے ہیں "محبت حال ہے، مقام نہیں۔" اور ان کے نزدیک محبت کے تین مراتب ہیں۔ (۱) عوام الناس کی محبت۔ یہ محبت اللہ تعالیٰ کے ان پر احسان اور

مہربانی کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد عالیشان ہے۔ آپ نے فرمایا "دلوں کی فطرت ہے کہ کوئی ان پر احسان کرے اس سے محبت کرتے ہیں اور جو ان کے ساتھ اساءت کرے اس کے ساتھ وہ نفرت کرتے ہیں"۔

(۲) صادقین اور متحققین کی محبت:

اور یہ محبت دل میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب دل اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی اور علم و قدرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

(۳) صدیقین اور متحققین کی محبت:

یہ لوگ محبتِ خداوندی کو بغیر سبب اور علت کے مقدم رکھتے ہیں۔ اور وہ باری تعالیٰ کو بغیر کسی علت کے چاہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام طوسی کے نزدیک محبت ایک حال ہے جو بندے کو بغیر محنت اور بغیر کسی عمل کے عطا کیا جاتا ہے۔ لیکن امام سہروردی کے نزدیک محبت حال بھی ہے اور مقام بھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ محبت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) محبت عام (۲) محبت خاص

وہ اپنی کتاب عوارف المعارف میں فرماتے ہیں "بعض مشائخ نے محبت کو روحانی مقامات میں شامل کیا ہے ایسی صورت میں اس سے مراد وہ عام محبت ہے۔ جس میں انسان کی تدبیر اور کوشش کو دخل حاصل ہو۔

محبتِ خاص، محبتِ ذات ہے۔ جو مشاہدۂ روح سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اسی محبت میں سکرات لاحق ہوتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندے پر احسان اور عنایت ہے۔ اس کا تعلق احوال سے ہے۔ کیونکہ یہ محض عطیۂ خداوندی ہے۔ اس میں تدبیر اور کوشش کا کوئی دخل نہیں جب ان کی یہ خاص محبت صحیح طریقے سے نمودار ہو جائے۔ تو یہ لوگ ارشادِ خدواندی کے مطابق مومنوں سے عاجزی اختیار کرتے ہیں۔ کیونکہ عاشقِ صادق محبوب اور اس کے

پسندیدہ لوگوں کے سامنے عاجزی اختیار کرتا ہے۔
اسی طرح امام شعرانی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں "محبت کا تعلق حال سے بھی ہے اور مقام سے بھی۔ ان کے نزدیک محبت وہ مقام ہے جو بندے کو مجاہدے' ریاضت اور تصفیۂ قلب سے حاصل ہوتا ہے یہاں تک کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد صادق آتا ہے:
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت:٦٩)
ترجمہ:۔ "اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم اپنے راستے دکھا دیں گے۔"
محبت حال بھی ہے جو بندے کو بغیر کسی محنت کے من جانب اللہ عطا ہوتا ہے۔

قطب الاقطاب امام ابو الحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ محب کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حقیقی محب وہ ہے جو اپنے دل کو غیر اللہ سے پاک رکھتا ہے اور اپنے دل کے دروازے پر پہرے دار بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور شیطان اور اس کے وسوسے' نفس اور اس کی خواہشات اور مختلف قسم کے امراض سے دفاع کرتا ہے۔ ابن عطاء سکندری فرماتے ہیں کہ حقیقی محب وہ ہے کہ جس کے دل پر اس کے محبوب کے علاوہ کسی دوسرے کا غلبہ نہ ہو۔ اور محبوب کی مشیئت کے علاوہ اس کی کوئی مرضی نہیں۔
امام شعرانیؒ جن کو یہ مقام حاصل تھا۔ اپنے دل کی کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص احسان ہے کہ اس نے میرے دل کو محفوظ کر لیا ہے۔ اب اس دل میں مخلوق خدا میں سے کسی کی محبت نہیں ٹھہرتی مگر اس کے حکم سے۔ جب دل میں اللہ کی محبت کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ تو وہ خود ہی اس کی حفاظت کا ضامن ہوتا ہے۔ اور اس بندے کو توحید' عظمت اور جبروت کی تلوار عطا کر دی جاتی ہے۔ اور جو بھی اس کے دروازے کے قریب جاتا ہے اس کے سر کو اڑا دیتا ہے۔ اور جب بندہ اپنے دل کی حفاظت پر قادر ہو جاتا ہے تو اللہ

تعالیٰ اس بندے کے دل پر اپنے خاص لشکر میں سے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے۔ تاکہ شیطان اور خواہشِ نفسانیہ کی اس تک رسائی نہ ہو اور مخلوقِ خدا کے اس کی طرف متوجہ ہونے اور پے در پے دنیاوی نعمتوں کی بارش سے اس کے اجر میں کمی نہ ہو۔

خالص توحید اور معرفت جب بندے کو حاصل ہوتی ہے۔ تو بندے کا دل محبت سے بھر جاتا ہے۔ اور جب بندے کو مقام محبت حاصل ہو جائے تو شیطان اس کے دل سے نکل جاتا ہے۔ اور وہ بندہ اس کے وساوس سے محفوظ ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ۔ (الحجر:۴۲)

ترجمہ:۔ بے شک میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔ (کنزالایمان)

تو بندہ جب اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے تو مال و اولاد اس کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ اور نہ ہی اس کو اپنے رب سے غافل کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کے ہاتھوں میں ہوتا ہے نہ کہ اس کے دل میں۔ جب مخلوق اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو دنیا اس کے قدموں میں آجاتی ہے۔ اور اس کو عزت، مرتبہ اور عظمت حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ ان چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے دل کی لو تو رب کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ ارشاد باریِ تعالیٰ ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمَانِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْناً وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجَاھِلُوْنَ قَالُوْا سَلَاماً وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّداً وَّقِیَاماً"۔ (الفرقان: ۶۳، ۶۴)

"اور رحمان کے وہ بندے جو زمین پر آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں، بس سلام۔ (کنزالایمان)

اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا محبین کے کچھ اوصاف جن کی وجہ سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ اور ایسی علامات ہیں جن سے یہ معلوم ہو کہ انہیں مقام محبت مل چکا

ہے کیونکہ محبت دلوں میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس کو کیسے پہچانا جا سکتا ہے؟ اور شوق و عشق کی آگ بغیر دھوئیں کے ہوتی ہے۔ تو اس کا ادراک کرنا کیسے ممکن ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح عمدہ عمدہ خوشبو کستوری کی موجودگی کا پتہ دیتی ہے اور لق و دق صحراء میں سبزے کا پایا جانا پانی کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح محبین کے اوصاف اور علامتیں ہوتی ہیں۔ جو ان پر دلالت کرتی ہیں۔

محبین کی صفات

مشائخ کرام کی ایک جماعت نے شیخ جنید بغدادی رحمہ اللہ سے محبین کی صفات کے بارے میں دریافت کیا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور فرمایا میں اس بندے کے اوصاف کیسے بیان کرسکتا ہوں؟ جس کو اپنی ذات کا ہوش نہ ہو ہمیشہ اپنے رب کے ذکر میں مشغول اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں مصروف ہو اور اپنے دل کی آنکھ سے اس ذات کا مشاہدہ کرنے والا ہو۔ اور حال یہ ہو کہ اس کے دل کو عظمت وہیبت کی آگ نے جلا ڈالا ہو۔ اور شرابِ طہور اسے میسر ہو۔ غیب کے پردے اس کیلئے منکشف ہو جائیں اگر وہ گفتگو کرے تو اللہ کے حکم سے اور الہامِ خداوندی ہی اس کا کلام ہو اس کی حرکت اور سکون بھی اللہ کے حکم سے ہو۔ اور اس کا ہر کام اللہ کی مدد سے اللہ کیلئے رب ذوالجلال کی معیت میں سرانجام پاتا ہے۔

شیخ جنید بغدادی رحمہ اللہ کے نزدیک محب صادق وہ ہوتا ہے جو ہمیشہ اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور کبھی اس سے غافل نہیں ہوتا۔ اور اپنے فرائض واجباب کی ادائیگی میں کوتاہی اور سستی کا مرتکب نہیں ہوتا۔ جب بندے کو یہ مقام حاصل ہو جائے تو پردے منکشف ہو جاتے ہیں وہ اپنے عمل اور ترکِ عمل، نیند اور بیداری میں عبد ربانی بن جاتا ہے۔

ابن قیم نے اپنی کتاب "طریق ہجرتین" میں صفات محبین کا تذکرہ کیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے دل معرفت الٰہی سے مملوء اور اس کی محبت اور خشیت اور اجلال اور مراقبے سے معمور ہوتے ہیں پھر یہ محبت ان کے ہر ہر جزو میں سرایت کر جاتی ہے اور یہ محبت اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کے ذکر کو بھلا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری چیز میں سکون حاصل نہیں ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے مقابلے میں تمام محبتوں سے دل پھیر لیتے ہیں اور ماسوی اللہ ہر چیز کو ترک کر دیتے ہیں اس وقت رب ہی ان کی سماعت بن جاتا ہے جس سے وہ سنتے ہیں۔ بصر بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتے ہیں۔ اور ان کا ہاتھ بن جاتا ہے۔ جس سے وہ پکڑتے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کا دل کائنات کی ہر شی سے ترقی کر کے اللہ کے سامنے سر بسجود ہو جاتا ہے ابن قیم کے نزدیک محب وہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی سچی محبت حاصل ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کے غیظ ورحمت عظمت وکبریائی، جمال وجلال، فضل واحسان سے آگاہ ہوتا ہے اور اس کا دل محبتِ الٰہی سے مملوء ہوتا ہے اور غیر کیلئے کوئی جگہ نہیں ہوتی اور جب اس کو خالص محبت اور کامل عبودیت حاصل ہو جاتی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد صادق آتا ہے

عَبْدِیْ اَحْبِبْنِیْ تَکُنْ رَبَّانِیًّا تَقُوْلُ لِشَیْءٍ کُنْ فَیَکُوْنُ

ترجمہ: اے میرے بندے! اس سے محبت کر تو تو ربانی ہو جائے گا اور جس چیز کو "کن" کہے گا وہ اسی وقت ہو جائے گی۔

سلطان العاشقین، امام المحبین شیخ ابن فارض ہمارے لئے محبت کے اوصاف بیان کرتے ہیں ڈاکٹر مصطفیٰ حلمی فرماتے ہیں کہ ابن فارض کے نزدیک محبت وہ جوہر ہے جو انسانی نفس کو انتہائی بلندی پر فائز کر دیتا ہے اور اس کو ہر قسم کی علائق اور خواہشات نفسانیہ سے پاک کر کے اس کو مادی قیود سے آزاد کر دیتا ہے اور نفس کو وساوس اور خطرات سے مبرہ ومنزہ کر دیتا ہے۔ پھر نفس، ترقی

کی منازل طے کرتے ہوئے ایک خالص لطیف روح کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور اس میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ ملاء اعلیٰ تک رسائی حاصل کرکے جمال جہاں آراء کا مشاہدہ کرلیتا ہے۔

امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ بھی محب صادق کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ محب صادق وہ ہے جس میں درج ذیل صفات جمع ہو جائیں ذوق وشوق' دل کی تپش' حزن وشغف' آہ وبکا' شب بیداری وسحر خیزی' دہشت وحیرت' خشوع وخضوع' اخفاء واظہار وغیرہ

محبت کی یہی تعریف بعینہ شیخ ابراہیم دسوقی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی نظم میں بیان کی ہے

اَلاَ قُلْ لِمَنْ یَدَّعِیْ حُبَّنَاً
وَیَزْعِمُ اَنَّ الْھَوٰی قَدْعَلَقَ

"اسے کہہ دو جو ہماری محبت کا دعویدار ہے اور گمان کرتا ہے کہ محبت دل میں پیوست ہوگئی ہے"

فَلَوْ کَانَ فِیْمَا اِدَّعٰی صَادِقًا
لَکَانَ عَلَی الْخَضِ بَعْضَ الْوَرَق

اگر وہ اپنے دعوی میں سچا ہوتا تو پتوں کی طرح تروتازہ نہ ہوتا

فَاَیْنَ التَّحَوُّلُ وَاَیْنَ الذَّبُوْلُ
وَاَیْنَ الدُّمُوْعُ وَاَیْنَ الْاَرَق

کہاں ہے وہ کمزوری اور لاغری؟ کہاں ہیں وہ آنسو اور کہاں ہے راتوں کا جاگنا۔

محبِ صادق کیلئے ان صفات کا ہونا ضروری ہے شریعتِ مطہرہ کی پیروی کرے اور جو محب اوامر الہیہ کی مخالفت اور نواہی سے اجتناب نہیں کرتا وہ اپنے دعوٰی محبت میں کبھی صادق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ محب' محبوب کا مطیع ہوتا

ہے اس کے اوامر کو بجالاتا ہے اور اس کی منع کردہ چیزوں سے دور رہتا ہے اور محبِ صادق اللہ تعالیٰ کے وعدہ و وعید میں شک نہیں کرتا یہ کیسے ممکن ہے کہ محب ہو اور اپنے محبوب کے قول میں شک کرے اسی طرح اخلاص اور صدق بھی محبین کی صفات ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ

(الاحزاب: ۲۳)

ترجمہ: مسلمانوں میں کچھ وہ مرد ہیں جنھوں نے سچا کردیا جو عہد اللہ سے کیا تھا۔ تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کرچکا۔ اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے (کنزالایمان)

مصیبت میں صبر کرنا اور رضا بالقضاء کو بھی صفات محبین میں شمار کیا جاتا ہے

صوفیاء کرام کے نزدیک حصولِ محبت کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی وحدانیت کو استعمال کرنا ہے توحید دل کو خواہشاتِ نفسانیہ کینہ وحسد اور وساوسِ شیطان سے پاک کردیتی ہے یہ تمام اشیاء بندے کو اپنے رب سے دور کردیتی ہیں اور اس کے اور مولی کے مابین حائل ہوجاتی ہیں جب دل شہوات سے خالی ہو اور نفس انسانی خواہشات سے پاک ہو۔ اس وقت بندے کا دل رب کی محبت کا گھر ہوتا ہے جیساکہ حدیث قدسی میں آیا ہے

مَا وَسِعَنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَلٰكِنْ وَسِعَنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "میں نہ تو زمین میں سما سکتا ہوں اور نہ آسمان میں مگر بندۂ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں" (الحدیث)

جب دل شہوات سے خالی ہوجاتا ہے ار اللہ تعالیٰ کی توحید اور محبت اس میں بس جاتی ہے (تو وہ) علوم غیبیہ اور اسرار و معارف کا محل بن جاتا ہے پس وہ رب کی ایسی معرفت حاصل کرلیتا ہے کہ کبھی اس سے دور نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح راضی برضائے الٰہی ہو جاتا ہے کہ ناراضگی کا شائبہ تک نہیں رہتا اور ہمیشہ ذکر میں مصروف رہتا ہے یہاں تک کہ کبھی وہ ذکرِ محبوب کو نہیں بھولتا۔

حال شوق

شیخ الواسطی نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "وَعَجِلْتُ اِلَیْکَ رَبِّ لِتَرْضٰی" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جلدی کی کیونکہ ان کا شوق غالب تھا۔ اور اپنے پیچھے آنے والوں کی پرواہ نہ کی اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے ذوق میں انہیں پیچھے چھوڑ آئے

مروی ہے کہ حضور ﷺ اپنی دعا میں ارشاد فرمایا کرتے تھے

"اے رب! تیرے دیدار کی لذت اور ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں"

شوق کا تعلق احوال محبت سے ہے کیونکہ ہر محب مشتاق ہوتا ہے اور شوق بندے کا اختیاری عمل نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہے اپنے محبین میں سے جسے چاہتا ہے عطا فرمادیتا ہے امام طوسی فرماتے ہیں "شوق سے مراد بندے کی وہ حالت ہے کہ محبوب کی ملاقات کے شوق میں اپنی زندگی سے اکتا جائے" امام قشیری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبوب کی ملاقات کیلئے دل میں جو ہیجان پیدا ہوتا ہے اسے شوق کہتے ہیں اور محبت کی مقدار کے مطابق شوق ہوتا ہے

ابن عطاء اللہ سکندری سے شوق کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا "دل کے جلنے اور جگر کے ٹکڑے ہونے کا نام شوق ہے" جب ان سے پوچھا گیا کہ شوق اعلیٰ

ہے یا محبت تو فرمایا محبت کا درجہ بلند ہے کیونکہ شوق محبت سے ہی پیدا ہوتا ہے

امام سہروردی فرماتے ہیں کہ محبت اور شوق کا تعلق اسی طرح ہے جیسے زہد اور توبہ کا جب توبہ پختہ ہو جائے تو زہد کا آغاز ہوتا ہے اسی طرح جب محبت دل میں بس جاتی ہے تو شوق کا آغاز ہوتا ہے بعض لوگوں نے حالت شوق کا انکار کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ شوق اس کیلئے ہوتا ہے جو غائب ہو اور محبوب کب محب سے غائب ہوتا ہے کہ اس کا مشتاق ہو۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ حالت شوق کا انکار کرنا صحیح نہیں کیونکہ شوق محبین میں موجود ہوتا ہے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ان کے نزدیک مشاہدہ اور ملاقات کا شوق بعد اور غیبوبت کے شوق سے دور ہوتا ہے۔

بایزید بسطامی رحمتہ اللہ کا قول بھی امام شعرانی کے قول کا موید ہے فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اہل جنت کو اپنے دیدار سے محروم کردے تو وہ جنت سے پناہ مانگیں گے جس طرح جہنم والے آگ سے پناہ مانگتے ہیں کسی شاعر نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے

مَا رَجَعَ الطَّرفُ عَنْہُ عِنْدَ رُؤْيَتِہٖ
حَتّٰی يَعُوْدُ اِلَيْہِ الطَّرْفُ مُشْتَاقًا

ترجمہ: دیدار آنکھ اس کے چہرے سے نہیں ہٹتی کہ اس کی طرف اشتیاق سے لوٹے۔

حال انس

حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ سے انس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا محب کا محبوب سے بے تکلف ہونا انس ہے اور کہا گیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول "اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى" (البقرہ: ۲۶۰) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول اَرِنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ اسی قبیل سے ہے۔

امام طوسی فرماتے ہیں اللہ کے ساتھ انس کا معنی یہ ہے کہ بندہ اس کے ساتھ اعتماد کرے اور اسی سے سکون کا طالب ہو فرماتے ہیں کہ اس سے زیادہ انس کی وضاحت نہیں ہو سکتی مروی ہے کہ مطرف ابن شخیر نے عمر بن عبدالعزیزؒ کی طرف لکھا "چاہیے کہ تیرا انس صرف اللہ کے ساتھ خاص ہو۔ اور سب کو چھوڑ کر اسی کے ہو رہو۔ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس ہو جاتا ہے تو انہیں خلوت میں بھی وہ سکون میسر ہوتا ہے جو دوسرے لوگوں کو جلوت میں میسر نہیں"۔

حضرت رابعہ بصریہ رحمتہ اللہ علیہا فرماتی ہے کہ ہر مطیع صاحب انس ہوتا ہے اور کسی شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے

فَالْجِسْمُ مِنِّیْ لِلْجَلِیْسِ مُؤَانِسٌ
وَحَبِیْبُ قَلْبِیْ فِی الْفُؤَادِ اَنِیْسٌ

ترجمہ : "میں نے تجھے اپنے دل میں چھپا لیا تیرے ساتھ گفتگو کرنے کیلئے اور اپنے جسم کو مباح کر دیا جو کہ میرے پاس بیٹھنے کا ارادہ کرے میرا جسم ظاہری ہم نشین سے مانوس ہے حالانکہ میرے دل کا محبوب میرے دل ہی میں بسا ہوا ہے"

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقام انس پر بندہ کب فائز ہوتا ہے امام شعرانی فرماتے ہیں "انس باطن کی پاکیزگی، کمال تقوٰی، قطع اسباب اور خواطر قلبیہ کے خاتمہ سے ہوتا ہے"۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ انسان کو اپنے ہم جنس سے انس حاصل ہوتا ہے رب اور بندے کے درمیان مجانست موجود نہیں اس لیے انس سے مراد وہ لذت قرب ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو عطا فرماتا ہے اس سے انس مراد نہیں، اور محققین کے نزدیک انس باللہ صحیح نہیں۔ جس طرح کہ امام شعرانی کی رائے ہے اور بندے کو جو انس اور محبت حاصل ہوتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی اس کے دل کی طرف خاص توجہ اور عنایت سے ہوتی ہے

حال قرب

ارشاد خداوندی ہے!

"وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (البقرہ:۱۸۶)

ترجمہ: اور اے محبوب! جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں، تو میں نزدیک ہوں (کنزالایمان)

اور ارشاد فرمایا

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (الواقعہ:۸۵)

ترجمہ: اور ہم اس کے زیادہ پاس ہیں (کنزالایمان)

ایک اور مقام پر اللہ جل مجدہٗ نے اپنے نبی مکرم کو فرمایا

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق:۱۹)

ترجمہ: اور سجدہ کرو اور رب کے قریب ہو جاؤ (آیت سجدہ)

ارشاد نبویؐ ہے۔

اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّہٖ وَھُوَ سَاجِدٌ (المسلم۔ ابوداؤد)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے (الحدیث)

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود فرماتے ہیں کہ سجدے کو دین اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے سجدہ انسان کو جنت میں داخل کر دیتا ہے۔

حضرت امام مسلم اپنی صحیح میں ربیعہ ابن کعب الاسلمی ؓ سے جو کہ خادم رسول ﷺ اور اصحاب صفہ میں سے تھے روایت کرتے ہیں کہ

آپ ﷺ نے فرمایا

"میں نبی کریم ﷺ کے کاشانہ انور کے دروازے پر سوتا تھا۔ جب آپ بیدار ہوتے تو میں وضو کا پانی اور دیگر اشیاء ضرورت حاضر کرتا ایک دن

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اے ربیعہ! مانگو' جو چاہتے ہو۔ میں نے عرض کی جنت میں آپ کی رفاقت کا طالب ہوں فرمایا اس کے علاوہ بھی کچھ مانگ لو میں نے عرض کی میری بس یہی طلب ہے ارشاد فرمایا' کثرت سجود کے ساتھ حصول مقصد کیلئے تعاون کرو۔" (الحدیث)

امام طوسی فرماتے ہیں "حالت قرب اس بندے کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے دل کے ساتھ اللہ عزوجل کا مشاہدہ کرتا ہے اور اپنی اطاعت کے ساتھ مزید قرب حاصل کر لیتا ہے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ جس قدر اپنے بندوں کے دلوں کو اپنے قریب دیکھتا ہے اس قدر وہ بھی انکے قریب آجاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ چاہیے کہ وہ تمہارے دل کے کتنا قریب ہے شیخ نصر بازی فرماتے ہیں "معرفت اتباع سنت سے حاصل ہوتی ہے قربت ادائیگئ فرض سے اور محبت نوافل پر مواظبت کرنے سے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بندہ کو کب قرب حاصل ہوتا ہے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ بندے کو اپنے رب کا قرب اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب مخلوق کے دل اس کیلئے سخت ہو جاتے ہیں ان کی زبانیں اس کی مذمت کیلئے کھل جاتی ہیں اور اس کی تعریف و توصیف سے رک جاتی ہیں اور اس کے ساتھ میل جول کو ترک کر دیا جاتا ہے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے رب کا قرب اس وقت تک نہیں نوازتا جب تک وہ کسی غیر سے نفع و نقصان کی امید رکھتا ہے

اے بندے! اپنے رب کے ساتھ حسن ظن رکھ۔ اور اس ذات کی طرف دیکھ جو ہر وقت تیری نگہبان ہے۔ اور اس ذات کی طرف متوجہ ہو جا۔ جو تیری طرف متوجہ ہے امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرب کا سب سے پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں مصروف

ہو جائے

حدیث قدسی ہے کہ مقربین کو قرب ادائیگیٔ فرض سے بڑھکر کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔ بندہ نوافل کے ذریعے قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں اور جب محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کی سمع و بصر بن جاتا ہوں تو وہ میری طاقت سے ہی دیکھتا اور سنتا ہے

حال حیاء

حیا کی دو قسمیں ہیں (۱) عام (۲) خاص

(۱) حیاء عام: اس سے مراد وہ حیاء ہے جس کا حکم نبی ﷺ نے اپنی اس حدیث پاک میں فرمایا۔ ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ سے حیاء کرو جس طرح اس سے حیاء کرنے کا حق ہے" صحابہ کرامؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ہم سب اللہ سے حیا کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ حیا مقصود نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے جو حقیقی حیا کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے سر اور ذہنی افکار کی حفاظت کرے اپنے پیٹ اور جو کچھ اس میں ڈالا ہے اس کا خیال رکھے موت اور ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کا خیال رکھے اور جو آخرت کا ارادہ رکھتا ہے وہ دنیا کی زینت کو ترک کر دیتا ہے جو انسان ان تمام امور کو انجام دے وہی اللہ تعالیٰ سے حقیقتہ" حیاء کرنے والا ہے (الحدیث)

حیا کی اس قسم کا تعلق مقامات سے ہے مگر حیاء خاص کا تعلق احوال سے ہے حضرت عثمان غنیؓ کا حیا بھی اسی قبیل سے ہے آپ فرماتے ہیں کہ جب میں اندھیرے کمرے میں غسل کرتا ہوں تو اس وقت بھی خدا سے حیا کی وجہ سے پانی پانی ہو جاتا ہوں۔

حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری اس بات کو ذہن

نشین کرلو۔ حیا اور انس دونوں دل کا طواف کرتے ہیں جب دل میں زہد و ورع پاتے ہیں تو وہاں اتر آتے ہیں ورنہ کوچ کر جاتے ہیں

اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے روح کا سرنگوں ہونا "حیا" ہے اور اس کے جمال کامل سے لذت حاصل کرنا "حیا" کہلاتا ہے اور جب یہ دونوں جمع ہو جائیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی غایت درجہ کی عنایت ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب ترجمانی کی ہے۔

اَشْتَاقَهٗ فَاِذَا بَدَا
اَطْرَقْتُ مِنْ اِجْلَالِهٖ

لَا خَیْفَته بَلْ هَیْبَته
وَصِیَانَهٗ لِجَمَالِهٖ

اَلْمَوْتُ فِیْ اَدْبَارِهٖ
وَالْعَیْشُ فِیْ اِقْبَالِهٖ

وَاَصُدُّ عَنْهُ اِذَا بَدَا
وَ اَرُوْمُ طَیْفَ خَیَالِهٖ

(عوارف المعارف)

ترجمہ : ۱۔ میں اس کا انتہائی مشتاق ہوں جب وہ ظاہر ہوتا ہے تو اس کے رعب و جلال میں نظریں نیچی کر لیتا ہوں۔

۲۔ تو یہ رعب خوف کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کی ہیبت اور اس کے جمال کی حفاظت کی وجہ سے ہے۔

۳۔ اس کی روگردانی میں موت اور اس کی توجہ سے زندگی ہے۔

۴۔ جب وہ ظاہر ہوتا ہے تو میں منہ پھیر لیتا ہوں اور پھر اس کے خیال اور تصور میں محو رہتا ہوں۔

یہ محبین اور مخلصین کے بعض احوال ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور امام

شعرانی رحمتہ اللہ علیہ کو یہ تمام احوال حاصل تھے۔ وہ اپنے رب کے مشتاق اور اس کے فضل وکرم سے مانوس اور اس کی نعمتوں اور احسان میں مستغرق تھے اپنے مولیٰ کے قریب تھے اور مولیٰ سے دور کرنے والی ہر چیز سے کنارہ کش اور دور تھے رب ذوالجلال سے انتہائی حیاء کرتے تھے اور انہیں ہمیشہ یہ خوف طاری رہتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ انہیں کسی ایسے کام میں مشغول پائے جس کا اس نے حکم نہیں دیا اور یہ چیز اللہ تعالیٰ سے دوری کا باعث ہو اور انہیں ہمیشہ یہ خوف لاحق ہوتا تھا کہ ان کے دل میں کوئی ایسا خاطر نہ کھٹکے جو ان کو ان کے مولیٰ سے دور کردے۔

مقامِ رحمت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ (الفتح: ۲۹)

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں آپس میں نرم دل۔

نبی کریم ﷺ دعوتِ محمدیہ کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اَنَا رَحْمَۃٌ مُّھْدَاۃٌ

ترجمہ: "میں ہدایت یافتہ رحمت ہوں"

دین اسلام میں رحمت کو بڑی شان اور اہمیت حاصل ہے اسلام اپنے پیروکاروں کو رحمت کی تعلیم دیتا ہے اس وجہ سے رحمت ایک مقام ہے جس کو طالب تگ ودو اور سعی سے حاصل کرتے ہیں۔ امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کیا کرتے اور سرور کائنات ﷺ کے ہر ہر فعل کی اتباع کرتے تھے انہوں نے اپنی ذات کیلئے کچھ شرائط اور قواعد مقرر کیے ہوئے تھے جس کے مطابق وہ زندگی بسر کیا کرتے تھے ان شرائط کو وہ خود ہی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "میں اپنے گھر سے اس وقت نکلوں گا جب مجھ میں لوگوں کی تکالیف دور کرنے کی طاقت ہوگی یعنی ان کی زندگی کا مقصد لوگوں کی تکالیف کو دور کرنا اور ان کے لئے اسبابِ راحت مہیا کرنا تھا۔ جب بھی

مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی یا فصلیں برباد ہو جاتیں یا پیداوار میں کمی ہو جاتی تو فرماتے نہ کھاؤں گا نہ پیئوں گا اور نہ ہی ازدواجی تعلقات قائم کروں گا۔ اور نہ ہی ہنسوں گا؟" اس طرح وہ اہلِ وطن کے مصائب و آلام میں شریک ہوتے یہاں تک کہ ان مصائب کا خاتمہ ہو جاتا یا ان میں نمایاں کمی واقع ہو جاتی۔

امام شعرانیؒ امت مسلمہ کے جسم کا ایک حصہ تھے وہ مسلمانوں کو محبت اور الفت کے بندھن میں باندھنے والی زنجیر کا ایک حلقہ تھے۔ اس وجہ سے جب امتِ اسلامیہ کے کسی ایک فرد کو تکلیف یا اذیت پہنچتی تو آپ بھی تکلیف محسوس کرتے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے

مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مِثْلَ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ اِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عَضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالْحُمّٰى وَالسَّهَرِ (صحیح مسلم، مسند احمد)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "مسلمانوں کی مثال باہمی محبت رحمت اور مہربانی میں جسم کی طرح ہے کہ جب اس کا ایک عضو تکلیف زدہ ہو تو سارا جسم بیماری اور بیداری میں اس کے ساتھ شریک ہوتا ہے۔ (الحدیث)

اور جو لوگ مقامِ رحمت پر فائز ہوتے ہیں وہ انتہائی رقیق القلب ہوتے ہیں وہ دوسروں کی تکلیف اور مصائب میں ہمیشہ مضطرب اور پریشان رہتے ہیں۔ اور انہیں صرف اس وقت ہی سکون اور چین ملتا ہے جب قوم کا کوئی فرد مصیبت سے دوچار نہ ہو۔

حضرت عمر بن خطابؓ جب کسی لشکر کو اشاعتِ دین اور تادیبِ اہل شرک و کفر کیلئے روانہ کرتے تو فرماتے کہ" اللہ کی برکت سے چلو اور میں تمہارے اہل و عیال کیلئے باپ کی مثل ہوں۔ یہاں تک کہ واپس لوٹ آؤ" غور کرنے کا مقام ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے آپ کو مجاہدین کے اہل و عیال کیلئے

باپ کے قائم مقام قرار دیا۔ کیونکہ باپ اپنی اولاد کیلئے انتہائی رحمدل اور ازحد مہربان ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنا سب کچھ اولاد کی سعادت کیلئے نچھاور کر دیتا ہے ایک اور روایت میں ان کے بارے میں آتا ہے کہ جب بھی مسلمانوں پر کوئی آزمائش آجاتی یا وہ کسی مصیبت سے دوچار ہوتے تو آپ بیمار ہو جاتے۔ لوگ ان کی عیادت کے لئے جاتے۔ یہی حالت حضرت علیؓ اور سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ اور امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ کی تھی۔ امام شعرانی صحابہ کرام اور تابعین عظام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب بھی مسلمان کسی مصیبت سے دوچار ہوتے تو یہ کھانا پینا چھوڑ دیتے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے۔ اور ان کی یہ حالت برقرار رہتی۔ یہاں تک کہ مصیبت ختم ہو جاتی حقیقتاً وہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان عالیشان پر کاربند تھے ارشاد رسول عربی ﷺ ہے

وَمَنْ لَّمْ يَهْتَمَّ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ (رواہ الطبرانی مرفوعا)

ترجمہ: اور جس نے مسلمانوں کے امور کا صحیح طور پر اہتمام نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ (الحدیث)

امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں اس مقام کے حصول کی خوشخبری ملی فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں عالم شباب میں ہوں اور بلور کے وسیع و عریض میدان میں کھڑا ہوں جس کے اردگرد آسمان تک بغیر دروازے کے دیوار ہے۔ میں شیخ نورالدین شونی کے پیچھے تھا (یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے مصر اور اس کے گردونواح میں نبی کریم ﷺ پر درود و سلام کی محافل کا اجراء کیا تھا) اسی اثناء میں کہ میں جا رہا تھا کہ آسمان سے سونے کی زنجیر میں معلق ایک مشکیزہ اترا۔ اور بلندی پر ٹھہر گیا' کہ کھڑے آدمی کا منہ اس تک پہنچ جائے پہلے شیخ نورالدین شونی رحمتہ اللہ علیہ نے اس مشکیزے سے پانی پیا۔ اور باقی ماندہ مجھے عطا کر دیا۔ پھر چلتے چلتے میں ان سے آگے بڑھ گیا یہاں تک کہ وہ غائب

ہو گئے پھر چاندی کی زنجیر میں معلق تختی کی مثل ایک شئ نازل ہوئی یہ بھی مشکیزے کی مقدار پر ٹھہر گئی میں نے دیکھا کہ اس میں ٹھنڈے پانی کے ابلتے ہوئے تین چشمے تھے جو شکر سے بھی زیادہ شیریں تھے۔ میں نے اوپر والے چشمے پر لکھا ہوا دیکھا کہ یہ عرش کے چشموں سے لیا گیا ہے اور نیچے والے چشمے پر لکھا ہوا تھا کہ اس کا تعلق کرسی کے چشموں سے ہے۔ مجھے الہام ہوا کہ عرش کے چشمے سے پانی پی لو۔ میں نے یہ خواب شیخ شہاب الدین الھوازمی کو سنایا کیونکہ وہ خوابوں کی تعبیر بیان کرتے تھے انہوں نے فرمایا "تم عالم دنیا کیلئے رحمت کی صفت سے متصف ہو گے"

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(آیت) کا ترجمہ

نبی کریم ﷺ جب بھی کوئی خواب دیکھتے تو صبح کے وقت وہ چیز بعینہ رونما ہو جاتی اور آپ کے بعد آپ کے امتیوں کو بھی یہ مقام حاصل ہے کیونکہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جَزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَاَرْبَعِيْنَ جَزْءٍ مِنَ النُّبُوَّةِ۔

(مسند احمد۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم)

ترجمہ: مومن کا خواب اجزاء نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے

اور رحمت خوف کا تقاضا کرتی ہے

مقام خوف

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ (الرحمان: ۴۶)

ترجمہ: اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرے اس کیلئے دو جنتیں ہیں۔

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا اس آیت کریمہ والذین یوتون ماآتوا وقلوبھم وجلہ سے مراد وہ شخص ہے جو چوری کرتا ہے زنا کرتا ہے اور شراب پیتا ہے فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو روزہ رکھتا ہے نماز پڑھتا ہے اور راہ خدا میں صدقہ کرتا ہے مگر ڈرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرتا ہے یا نہیں"

امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خوف کا تعلق زمانہ مستقبل سے ہے کیونکہ انسان ہمیشہ اس بات سے ڈرتا ہے کہیں اس پر کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے یا اس کی کوئی محبوب چیز نہ چھن جائے اور ان دونوں کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور اللہ سے خوف کا مطلب یہ ہے کہ بندہ دنیا اور آخرت میں عذابِ الٰہی سے ڈرے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اس سے ڈریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ (آل عمران: ۱۷۵)

ترجمہ : اور تم مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ (کنزالایمان)

اور اللہ نے ان مومنین کی مدح فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اللہ جلّ مجدہٗ نے ارشاد فرمایا

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ (النحل :۵۰)

ترجمہ : وہ اپنے اوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں۔ (کنزالایمان)

امام طوسی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک خوف کی تین قسمیں ہیں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب خوف کا ذکر کیا یا تو ایمان کو اس کے ساتھ ملا دیا

ارشاد خداوندی ہے

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

ترجمہ : "پس ان سے نہ ڈرو۔ اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو"

یہ خواص کا خوف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (الرحمان ۴۶)

ترجمہ : اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اس کیلئے دو جنتیں ہیں (کنزالایمان)

یہ متوسطین کا خوف ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ (النور : ۳۷)

ترجمہ : ڈرتے ہیں اس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں۔ (کنزالایمان)

(یہ عوام کا خوف ہے)

امام ابن عجیبہ رحمتہ اللہ علیہ بھی امام طوسی کی طرح خوف کی تین قسمیں بیان کرتے ہیں (۱) مبتدی لوگوں کا خوف (۲) متوسطین کا خوف (۳)

منتہی درجہ والوں کا خوف۔

مبتدین کیلئے ضروری ہے کہ ان پر جانب خوف غالب رہے۔ اور متوسطین کیلئے ضروری ہے کہ ان پر خوف و رجاء برابر رہے' اور منتہین کیلئے ضروری کہ ان پر جانب رجاء کا غلبہ رہے وجہ یہ ہے کہ مبتدین پر جانب خوف غالب ہوگی تو اعمال میں مزید کوشش کریں گے اور متوسطین کی عبادت ظاہر سے باطن کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ یعنی ان کی عبادت قلبی ہوتی ہے اگر ان پر جانب خوف غالب آجائے تو پھر ظاہری اعضاء کی طرف پلٹ آئیں گے۔ حالانکہ مقصودِ قلبی عبادت ہے اور جو واصلین ہیں ان کا عمل اور ترک اپنی ذات کیلئے نہیں ہوتا بلکہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتا ہے اور ان کی نگاہ مشاہدۂ حق اور قضا وقدر پر ہوتی ہے انہیں جو بھی بارگاہِ ایزدی سے میسر آتا ہے اسے قبول کرلیتے ہیں۔

امام طوسی اور امام ابن عجیبہ نے خائفین کے احوال اور مراتب بیان فرمائے ہیں لیکن امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ خوف کے نتیجہ اور ثمر کو بیان فرماتے ہیں کہ خوف بواسطہ انداز و تخویف نیکی کی طرف مائل کرتا ہے۔ جس طرح کہ رجاء بواسطہ رغبت نیکی کا سبب بنتی ہے۔

امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن جب تک اس دنیا میں رہتا ہے تو اس کے دل پر خوف طاری رہتا ہے اور اس کے کئی ایک اسباب ہیں۔

(۱) مومن معصوم عن الخطاء نہیں۔

(۲) فطری طور پر انسان شہواتِ نفسانیہ کے مقابلہ میں کمزور ہے۔

(۳) شیطان کا وجود۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (الحجر:۴۰)

ترجمہ : اور ضرور میں ان کو سب کو بے راہ کردوں گا مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔ (کنزالایمان)

اسی وجہ سے اپنے مریدین کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اے مرید! اگر چہ تو شب و روز مراقبے میں مشغول رہے پھر بھی کسی گناہ میں مبتلا ہونے کو بعید نہ جان۔" فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی معصوم عن الخطاء نہیں جب تک ہم اس دنیا میں ہیں ہمیں بے خوف نہیں ہونا چاہیے کیونکہ شیطان نے بہت سے ایسے لوگوں کو گمراہ کیا ہے جو اپنے آپ کو بڑے متقی اور پارسا گمان کرتے تھے ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ (الاعراف:۹۹)

ترجمہ: تو اللہ کی مخفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے (کنزالایمان)

شیخ حاتم الاصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کسی اچھی جگہ سے دھوکہ نہ کھا جنت سے بڑھ کر کوئی اچھی جگہ نہیں لیکن اس میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ معروف ہے۔ اور کثرتِ عبادت سے دھوکہ نہ کھا۔ کیونکہ شیطان بھی بہت بڑا عابد تھا اور کثرت علم سے دھوکہ نہ کھا۔ بلعان بھی اسم اعظم کو جانتا تھا۔ اس کا جو حال ہوا وہ سب کو معلوم ہوا۔ صالحین کی زیارت سے دھوکہ نہ کھا کیونکہ نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی صالح وپارسا نہیں۔ لیکن آپ کے دشمن اور کئی اقارب آپ کی زیارت وملاقات سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

خوف اگر امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک نیکیوں کا سبب ہے تو امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک وہ استقامت اور احکامِ دین کی اتباع کا سبب ہے۔ جب بندہ بسببِ خوفِ الٰہی اس کے احکام کو بجالاتا ہے اور اسے استقامت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ گناہوں میں واقع ہونے سے بچ سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا "اللہ تعالیٰ صہیب پر رحم فرمائے اگر اسے اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہو تب بھی اس کی نافرمانی نہ کرے" اس سے مراد یہ ہے کہ اگر انہیں جہنم کی آگ سے نجات کا پروانہ بھی مل جائے تو ان کو اللہ تعالیٰ کی جو معرفت حاصل ہے اس کی وجہ سے حق عبودیت کو ادا کرنے

میں قائم رہیں۔ یہ بندہ ہر ہر سانس اور اپنی ہر ہر حرکت میں اللہ سے ڈرتا ہے۔ اس کا مولیٰ ہمیشہ اس کے پیش نظر ہوتا ہے وہ گناہوں سے بچنے یا ظاہری و باطنی گناہوں کے عدم وقوع کا دعویدار نہیں ہوتا، مگر جب اسے مقام احسان حاصل ہو جائے (جو انبیاء اور ملائکہ کو حاصل ہوتا ہے۔) لیکن پھر بھی گناہ میں واقع ہونے کا خدشہ لاحق رہتا ہے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ کوئی بھی بندہ گناہ سے محفوظ نہیں رہتا مگر جب وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ یا یہ اعتقاد رکھے کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اس کا مشاہدہ کر رہا ہے اگر تو اس کا مشاہدہ نہیں کر رہا تو یہ خیال کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔"

(الحدیث)

"اور خوف، رجاء اور امید کا تقاضا کرتا ہے"

مقام رجاء

ارشاد خداوندی ہے

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (الکھف : ۱۱۰)

ترجمہ : اور جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو تو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے (کنزالایمان)

حدیث قدسی ہے اے میرے بندے ! جب تو میری عبادت کرتا ہے اور مجھ سے امید وابستہ کرتا ہے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تو میں تیرے سارے گناہ معاف کردوں گا۔ اگر تو تمام کرۂ ارض جتنے گناہ اور خطائیں لے کر آئے تو میں اتنی ہی مغفرت کے ساتھ تیرا استقبال کروں گا۔ اور تجھے معاف کردوں گا اور مجھے کسی چیز کی پروا نہیں۔

امام طوسی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک رجاء کی تین قسمیں ہیں

(۱) رجاء فی اللہ (۲) اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کی امید (۳) اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید

اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت اور اس کے ثواب کی امید اس مرید کیلئے ہوتی ہے جو ربِ قدوس کے احسانات کا ذکر سنتا ہے اور اس کی بارگاہ سے رجاء وابستہ کرلیتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ جود و سخاوت ' فضل واحسان اللہ تعالیٰ کی

صفات ہیں اس لیے اس کا دل فضل و کرم کے بھروسے سے مرجوع چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

اور رجاء فی اللہ اس بندے کا مقام ہے جو مقام رجاء پر فائز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی ذات کے علاوہ کسی چیز کی رجاء نہیں کرتا امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رجاء مستقبل میں حاصل ہونے والی کسی محبوب شے سے دل کا لگاؤ ہے۔ رجاء اور تمنا کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "تمنا کسل اور سستی کا باعث ہوتی ہے۔ صاحبِ تمنا محنت اور کوشش کا راستہ اختیار نہیں کرتا بخلافِ صاحب رجاء کے" اس کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ رجاء محمود ہے اور تمنا مردود۔ اس طرح امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ کی رائے امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ سے ملتی ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ رجاء بواسطہ رغبت نیکیوں کی طرف لے جاتی ہے حضرت زید الخیل رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں۔ تاکہ میں پوچھوں کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے محبوب بندے سے راضی ہونے کی علامت کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے کیسے صبح کی؟ عرض کی کہ میں نے اس حال میں صبح کی کہ نیکی اور نیک لوگ میرے نزدیک پسندیدہ تھے جب کسی پر قدرت رکھتا ہوں اس میں جلدی کرتا ہوں اور اس کے ثواب کا یقین رکھتا ہوں اور جب کوئی نیکی مجھ سے رہ جائے میں اس پر غمگین ہوتا ہوں اور اس کیلئے مشتاق رہتا ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہی علامت ہے اللہ تعالیٰ کے اپنے بندے سے راضی ہونے کی (اگر اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ دوسری چیز کا ارادہ کرے تو اس کو تیرے لیے مقرر کر سکتا ہے) پھر اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی تو کس وادی میں ھلاکت ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پاک میں اس آدمی کی علامت بیان فرمائی جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہو جو آدمی خیر کی امید رکھتا ہو اور

جو بغیر عمل کے طلب کرتا ہے وہ مغرور ہے۔ بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ رسول ﷺ باب بنی شیبہ سے اپنے صحابہ کرام کے ہاں تشریف لائے آپ نے انہیں مسکراتے ہوئے دیکھا اور فرمایا کہ تم ہنس رہے ہو اگر تم جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے پھر آپ آگے گذر گئے تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ واپس تشریف لائے فرمایا جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے ہیں

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (الحجر:۴۹)

ترجمہ : میرے بندوں کو خبر دو کہ بے شک میں ہی ہوں بخشنے والا مہربان۔ (کنزالایمان)

امام شعرانی علیہ الرحمتہ کے نزدیک ضروری ہے کہ رجاء عاجزی اور انکساری کے اظہار کے طور پر ہو۔ اور جس چیز کی امید کر رہا ہے' اس کے وقوع کو طلب نہ کرے' ان کے نزدیک یہ عارفین کی رجاء ہے۔ کیونکہ وہ لوگ انتہائی صاحب بصیرت ہوتے ہیں۔ کسی چیز کی امید نہیں رکھتے ان کے نزدیک محرومی کی حلاوت عطا کی حلاوت اور شیرینی جیسی ہوتی ہے۔

جب بندہ ان مقامات پر فائز ہوتا ہے۔ تو یہ مقامات اس کے لیے طریق و منہج بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فیوضات اور تجلیات کی اس پر بارش ہوتی ہے تو خوف و رجاء اور زہد کی منزل سے گذر کر عبد خالص بن جاتا ہے۔ اور اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتا ہے اور مشیت ایزدی پر راضی ہو جاتا ہے امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ مقامات طالبین اور احوال راغبین سے گذر کر خالص عبودیت کے مقام پر فائز ہو چکے تھے اس لئے اب ہم مقام عبودیت کی حقیقت بیان کرتے ہیں

مقام عبودیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذاریات:۵۶)

ترجمہ: اور میں نے جن اور آدمی اس لیے ہی بنائے کہ میری بندگی کریں (کنزالایمان)

ارشاد نبوی "میں اللہ کا بندہ ہوں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا بلکہ اس طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک انسان کھاتا ہے۔ (الحدیث بخاری)

ابن عطا اللہ سکندری رحمتہ اللہ فرماتے ہیں "سب سے عظیم تر مقام جو بندے کو عطا کیا جاتا ہے وہ مقام عبودیت ہے باقی تمام مقامات کی حیثیت خادموں کی سی ہے اور اس کے عظیم ترین مقام ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (الاسراء:۱)

ترجمہ: پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو لے گیا۔ (کنزالایمان)

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ (الانفال:۴۱)

ترجمہ: اور جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کے دن اتارا۔ (کنزالایمان)

کٓھٰیٰعٓصٓ ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہٗ زَکَرِیَّا (مریم:۲،۱)

ترجمہ: یہ ذکر ہے تیرے رب کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے بندہ زکریا پر

کی (الفرقان)

حضرت ذوالنون مصری رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں "مقام عبودیت یہ ہے کہ تو ہر حال میں اس کا بندہ رہے جس طرح وہ ہر حال میں تیرا رب ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تو تقدیر کے معاملے میں اپنے اختیار کو ترک کردے کیونکہ مقامِ عبودیت تمام مقامات میں افضل ترین ہے اس لیے ترکِ تدبیر کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ بندے کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام امور کو اللہ کے سپرد کردے۔

شیخ زورق رحمتہ اللہ علیہ' ربوبیت اور ربوبیت کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ربوبیت کے چار اوصاف ہیں جس طرح عبودیت کے چار اوصاف ہیں

(۱) بندہ فقیر ہے جبکہ مولیٰ غنی (۲) بندہ ذلیل ہے اور رب صاحبِ عزت
(۳) بندہ عاجز ہے جبکہ مولیٰ قادر (۴) بندہ ضعیف ہے اور مولیٰ قوی و طاقتور ہے۔

جو بندہ اللہ تعالیٰ سے غنا طلب کرتا ہے وہ اسی کا محتاج ہوتا ہے اور جو اس کا محتاج ہوتا ہے وہ غنی ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے عزت طلب کرتا ہے وہ اس کیلئے ذلیل ہوتا ہے اور جو اس کی خاطر ذلیل ہوتا ہے وہ حقیقتاً عزت دار بن جاتا ہے۔ اس وجہ سے ہماری یہ رائے ہے کہ ربوبیت اور عبودیت کے درمیان کوئی مناسبت نہیں۔ عبودیت کی صفات عجز و ذلت اور رویت تقصیر ہیں۔

شیخ الاستاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ' عبادت' عبودیت اور عبودہ کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "یہ وہ مراحل ہیں جن کو طے کر کے بندہ اپنے رب تک پہنچتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ عبودیت' عبادت سے اتم اور اکمل ہے۔ پہلے عبادت کا درجہ ہے پھر عبودیت اور آخر میں عبودۃ کا درجہ ہے۔ عبادت کا تعلق عام مومنین سے ہے اور عبودیت کا خاص سے عبودت کا خاص الخواص سے وہ فرماتے ہیں کہ عبادت اصحابِ مجاہدہ کے لیے ہے اور

عبودیت اربابِ مکابدہ کیلئے اور عبودۃ اہلِ مشاہدہ کی صفت۔ جو اپنے جسم کو اپنے رب کیلئے مختص کر دے صاحبِ عبادت ہے اور اپنے دل کو اپنے رب کے لئے قربان کر دے وہ صاحبِ عبودیت ہے اور جو اپنی روح کو اس کے حضور پیش کرنے والا صاحبِ عبودت ہے۔

امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "بندے سے عبودیت ہی مقصود ہے کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا قریب ترین راستہ ہے"

اور عبودیت انتہائی عجز و انکساری کا نام ہے اور انبیاء وصدیقین کے مراتب میں یہی سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے اس لیے حضور ﷺ کو جب اختیار دیا گیا چاہیں تو وہ بصورت فرشتہ نبی بن جائیں کااور چاہیں تو بصورت بندہ نبی بن جائیں تو آپ ﷺ نے عبودیت کو اختیار کیا۔ اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد " انا سید ولد ادم فلا فخر" (میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور مجھے اس بات پر کوئی فخر نہیں) کا معنی یہ ہے کہ میں سرداری پر فخر نہیں کرتا بلکہ مجھے عبودیت پر فخر ہے جو میرے رب کی عطا کردہ ہے اسی عبودیت کیلئے نظامِ کائنات کو وجود عطا ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:۵۶)

ترجمہ: اور ہم نے نہیں پیدا کیا جن وانس کو مگر یہ کہ وہ عبادت کریں۔ (القرآن)

بندے کی تخلیق اصلاً اس لیے ہے کہ وہ اپنے رب کا بندہ بن جائے اور جب اللہ تعالیٰ اس بندے کو سرداری کی خلعت عطا فرماتا ہے اور اس خلعت میں ظاہر ہونے کا حکم دیتا ہے تو وہ دیکھنے میں تو سردار ہوتا ہے لیکن اپنی ذات میں عبد ہوتا ہے۔ یہ سرداری تو رب کی عطا کردہ زینت ہوتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ لوگ آپ کے جسم کو چھوتے اور برکت حاصل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ مجھے نہیں

چھوتے بلکہ اس زیور کو چھوتے ہیں جو میرے رب نے مجھے پہنایا ہے۔ اور فرمایا "کیا میں انہیں اس چیز سے منع کردوں جو میری ملکیت نہیں۔"

امام شعرانیؒ کے نزدیک عبودیت کے کچھ آداب ہیں۔

مخلصین کو چاہیے کہ وہ ان آداب اور اوصاف سے اپنے آپ کو مزین اور آراستہ کریں۔ بندے کو اس کی محنت کے مطابق ہی اجر ملتا ہے' اور جس قدر اوصاف حمیدہ سے متصف ہوتا ہے اسی قدر اسے مقامات حاصل ہوتے ہیں اور جو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قدرت خارقہ عطا فرمائے اسے چاہیے کہ وہ عجز و انکساری کا اظہار کرے۔ اور جو یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی اطاعت کی قوت اور مجاہدۂ نفس عطا فرمائے اسے چاہیے کہ وہ تمام امور کو اللہ کے سپرد کرکے اپنی کمزوری اور ضعف کا اظہار کرے۔

آداب عبودیت

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں "بندے کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے مولیٰ کے عطا کردہ عطیات میں گم ہو جائے اور اپنے مولیٰ کے حقوق کو بھول جائے۔ کیونکہ دنیا و آخرت کی ہر چیز بندے کو اپنے مولیٰ کے خزانے سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ

(الحجر:۲۱)

ترجمہ: اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں (کنزالایمان)

بندے کی ڈیوٹی یہی ہے کہ وہ اپنے رب کے حکم کو بجالائے اور منہیات سے اجتناب کرے اور اس کا یہ عمل کسی طمع یا خوف سے نہ ہو۔ بلکہ اجلالِ باری تعالیٰ کی وجہ سے ہو۔ اور یہ بھی مناسب نہیں کہ بندہ اپنے عمل پر اجرت کا طالب ہو کیونکہ وہ تو اپنی ذات کیلئے عمل کرتا ہے اور اجرت مانگنا کیسے مناسب

ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات:۹۶)

ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو (القرآن)

بندے کی کوئی ایک عبادت بھی خلل، نقص اور سوء ادب سے خالی نہیں ہوتی۔ اس لیے اسے ثواب کے مطالبے کا کیا حق ہے حالانکہ وہ اس طرح کی عبادت سے عتاب اور سزا کا مستحق ہے۔ ادب تو یہ ہے کہ وہ اپنی تمام عبادات اور عاجزی وانکساری کو قلتِ ادب اور نقص پر معمول کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَا قَدَرُوْا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ (الزمر:۶۷)

ترجمہ: اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ قدر کرنے کا حق تھا۔ (کنزالایمان)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے باری تعالیٰ! ہم تیری ثنا کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ باوجود اس کے کہ طویل قیام سے آپ کے قدم مبارک متورم ہو گئے تھے۔

امام غزالیؒ ارشاد فرماتے ہیں "بعض اوقات بندہ بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ سجدہ کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اس سجدے سے اعلیٰ علیین تک پہنچ گیا ہے، حالانکہ اس سجدے میں کوتاہیوں کے گناہوں کو پورے اہلِ ارض پر تقسیم کیا جائے تو یہ اسے ہلاک کردیں۔

اور انہیں آداب میں سے ہے کہ بندہ ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہے اور آنے والی کسی مصیبت پر اظہار ناراضگی نہ کرے اور اس کی بارگاہ سے جو کچھ بھی عطا ہو اسے حقیر نہ سمجھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ (المائدہ:۱۱۹)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی۔ (کنزالایمان)

رسول پاک ﷺ نے فرمایا

ذَاقَ طَعۡمَ الۡاِیۡمَانِ مَنۡ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا" (صحیح مسلم۔ ترمذی۔ مسند امام احمد)

ترجمہ : "اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جس نے اللہ کو اپنا رب اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا نبی تسلیم کر لیا"

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

اعبد الله بالرضا۔ فان لم یستطع ففی الصبر علی ماتکرہ خیر کثیر

ترجمہ : "اللہ کی رضا کیلئے عبادت کر۔ اگر تجھ سے یہ نہ ہو سکے تو ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنے میں بڑی خیر ہے" (عارف باللہ ابن عطاء اللہ سکندری فرماتے ہیں کہ جو اللہ سے راضی ہو جاتا ہے وہ اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیتا ہے اور جو اسلام سے راضی ہو جاتا ہے وہ اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اور جو محمد ﷺ پر راضی ہو جاتا ہے وہ آپ کی اتباع کرتا ہے۔

امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رب اپنے بندوں کے معاملات کو خوب جانتا ہے اور ان کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے

وَعَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَھُوۡا شَیۡئًا وَّھُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ (البقرہ:۲۱۶)

ترجمہ : اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ (کنزالایمان)

حکمتِ الٰہیہ کا یہ تقاضا ہے کہ وہ بندے کو اس کے ظرف کے مطابق عطا کرے کیونکہ اگر اسے اعلیٰ یا ادنیٰ عطا کر دیا جائے تو اس کی حالت بگڑ جائے گی۔

اور اس حدیثِ قدسی میں بھی اسی چیز کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "میرے بعض بندے ایسے ہیں جن کیلئے فقر ہی مناسب ہے اگر میں انہیں غنی کر دوں، ان کی حالت خراب ہو جائے اور بعض بندے ایسے ہیں جن کے لئے غنا مناسب ہے۔ اور میں اگر انہیں فقیر کردوں تو ان کی حالت بگڑ جائے۔" بندے کا موجودہ حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کے مطالبے کا معنی یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی اختیار فرمودہ حالت پسند نہیں ہے اور اس کے اس مطالبے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ جاننے والا ہے نعوذ باللہ من ذلک اور یہ جہالت اور کفر کے سوا کچھ نہیں۔ اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

"اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی" (طٰہٰ: ۵۰)

ترجمہ : اس نے ہر چیز کو اس کے لائق صورت عطا کی پھر راہ دکھائی (کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (القصص: ٦٨)

ترجمہ: " اور تمہارا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا اور پسند فرماتا ہے۔ ان کو کچھ اختیار نہیں۔ پاک اور برتر ہے اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے۔ (کنزالایمان)

انہیں آداب میں سے ہے کہ بندے کو چاہیے کہ وہ ظاہری و باطنی طور پر کسی چیز کو اپنی ملک خیال نہ کرے۔ قاصر فقیر پر ملکیت باری تعالیٰ کے شہود کا غلبہ ہوتا ہے وہ مخلوق کی ملکیت سے قطع نظر کرلیتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک ہر شے کا مالک خدا ہے اس لئے اس کے نزدیک کسی چیز کو غصب کرلینا یا سود وغیرہ لینا حرام نہیں ہوتا جبکہ فقیر کامل اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا مالک اللہ

تعالیٰ ہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے کسی کو مجازی ملکیت عطا فرمادے تو وہ اس کا اعتبار کرتا ہے۔ اس لئے غصب، غصب اور چوری وغیرہ اس کے نزدیک حرام ہے کیونکہ ہر چیز کا حقیقی مالک اگرچہ اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس نے اپنے بندے کو بھی مجازی اختیارات سے نوازا ہے۔

ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں "ہر قسم کی ظاہری اور باطنی ملکیت کا دعوی کرنے سے بچو۔ کیونکہ جو بندہ حقیقی ملکیت کا دعوی کرتا ہے وہ مومن ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ (التوبہ: ۱۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں (کنزالایمان)

"مومن وہی ہے جو اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں بیچ دے اور پھر اپنی ذات پر اس کا اپنا کوئی دعویٰ باقی نہ رہے"

اور آداب عبودیت میں سے ہے کہ بندے کو یقین رکھنا چاہیے کہ اس پر کی جانے والی نعمتوں کی دو صورتیں ہیں

(۱) وہ نعمتیں جو بطور انعام ہوتی ہیں

(۲) وہ نعمتیں جو بطور آزمائش وابتلا ہوتی ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مصائب کے دوران نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔ امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ بندے کو چاہیے کہ ان دونوں صورتوں کا خیال رکھے اور ان کا حق ادا کرے۔ انعام کی صورت میں یہ خیال کرے کہ میں اس نعمت کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہوں۔ اور آزمائش کی صورت میں مکرو استدراج سے ڈرے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ (القلم: ۴۴)

ترجمہ: قریب ہے کہ ہم انہیں آہستہ آہستہ لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر

نہ ہو گی (کنزالایمان)

دنیاوی زندگی میں نعمتوں کے مقابلہ میں آزمائشیں کثیر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کے پس پردہ آزمائش مضمر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کا شکر ادا کرے اور اس کی نسبت خالق حقیقی کی طرف کرے اور اللہ کے حکم مطابق اسے خرچ کرے اسی طرح مصائب میں بھی بندے کو چاہیے کہ صبر کرے اور اس کے ازالہ کیلئے رب کی بارگارہ میں رجوع کرے اور اس پر نازل ہونے والے تمام مصائب پر صبرو تحمل سے کام لے۔ یعنی کسی غیر سے شکوہ نہ کرے کیونکہ اس مصیبت کو وہی دور کر سکتا ہے جو اس کو نازل کرنے والا ہے۔

اور انہی آداب میں سے ہے کہ بندے کو چاہیے کہ اپنے رب کے سامنے مؤدب رہے اپنے علم کے مطابق بات کرے اور متشابہاتِ قرآن پر ایمان رکھے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ خدود سے تجاوز نہ کرے اور بغیر تحقیق علوم میں مشغول نہ ہو اور اگر عمل کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کیلئے قرآن کریم کے احکام کا علم کافی ہے اور بندہ جن علوم سے ناواقف ہو ان علوم سے توقف کرنا ہی مناسب ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے کسی آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں اس کی تفسیر نہیں جانتا۔ تو سائل نے اس پر حیرانگی کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا "کونسا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہو گا اور کونسی زمین مجھے اٹھائے گی۔ اگر میں نے اللہ کی کتاب کے بارے میں کوئی ایسی بات کہہ دوں جو مراد نہ ہو؟"

امام شعرانی فرماتے ہیں "ان علوم میں و معارف میں بات کرنا اسی کے لیے جائز ہے جس پر یہ حدیث قدسی صادق آتی ہے "وہ بندہ میری طاقت سے دیکھتا ہے سنتا اور کلام کرتا ہے"

اللہ تعالیٰ کی آیات میں تاویل کرنے سے تسلیم ہی بہتر ہے کیونکہ اکثر لوگ رب کے کلام کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور اہلِ فہم سے نہیں اور جس کی یہ حالت

ہو اللہ تعالیٰ نے اس کو توبیخ فرمائی ہے ارشاد رب العلیٰ ہے

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيْلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهُ اِلَّا اللّٰهُ (آل عمران: ۷)

ترجمہ: "اور جن کے دلوں میں ہے کجی وہ اشتباہ والی آیات کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ کو ہی معلوم ہے"

کتاب اللہ کو سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ فرمان و معرفت کا دروازہ اس کیلئے کھول دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس وقت خود بندے کی تعلیم کو اپنے ذمۂ کرم میں لے لیتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرہ: ۲۸۲)

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو۔ اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے (کنزالایمان)

اور جس کو اللہ تعلیم دے وہ ہر چیز کو سمجھ جاتا ہے

اور انہی آداب میں سے ہے کہ وہ اپنے تمام امور کو خدا کے سپرد کردے۔

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ محال ہے کہ مومن کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کرے جس پر اللہ نے عقاب کی وعید فرمائی ہے اور اگر اس سے گناہ سرزد ہو بھی ہو جائے تو وہ فوراً ندامت کا اظہار کرتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے

الندم توبہ "ندامت ہی توبہ ہے"

گناہ گار مومن سے ترکِ ندامت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت پسند نہیں کرتا اور نہ ہی اس پر راضی ہوتا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معصیت ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صادق آتا ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا (التوبہ: ۱۰۲)

ترجمہ: اور ملایا ایک کام اچھا اور دوسرا کام برا (القرآن)

عمل صالح سے مراد یہ ہے کہ اسے معلوم اور یقین ہوتا ہے کہ یہ معصیت ہے اور عمل سیئی سے مراد اس معصیت کا ارتکاب کرنا ہے

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ بندہ اس قابل نہیں ہے کہ قضائے الٰہی کے بغیر اس کے حکم کی ظاہرا" اور باطنا" مخالفت کرے کیونکہ ایسا تو وہی بندہ کرتا ہے جو خود مختار ہو اور یہ محال ہے۔

تمام مخلوقات قہر و قضا کے تحت الوہیت کا دعوی بھی کردیں تو وہ اس کے حکم سے خارج نہیں ہوسکتے ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الدھر: ۲، ۳)

ترجمہ : "بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے کہ ہم اسے جانچیں تو ہم نے اسے سننے والا دیکھنے والا بنا دیا بے شک ہم نے اسے راہ دکھائی یا حکم مانتا یا ناشکری کرتا"

شیخ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ شیطان مذکر کی طرح ہے اور نفس مونث کی طرح ان دونوں کے درمیان گناہ کا پیدا ہونا ایسے ہی ہے جیسے ماں باپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے اس کا معنی یہ نہیں کہ ماں باپ نے اسے وجود بخشا ہے بلکہ اس کا ظہور ان سے ہوا ہے عارف باللہ ابن عطا السکندری فرماتے ہیں کہ شیخ کے اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح عاقل اس میں شک نہیں کرتا، کہ بچہ ماں باپ کی تخلیق نہیں اور نہ ہی وہ اس کے موجد ہیں۔ ان کی طرف صرف اس لیے منسوب کیا جاتا ہے کہ اس کا ظہور ان سے ہوتا ہے۔ اسی طرح مومن شک نہیں کرتا کہ معصیت شیطان اور نفس کی تخلیق نہیں یہ تو صرف ان سے ظہور ہونے کی وجہ سے ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ معصیت کی شیطان اور نفس کی طرف نسبت، نسبت اضافی و اسنادی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت تخلیق و ایجاد کی نسبت ہے وہ مولیٰ جس طرح اپنے فضل و احسان سے طاعت کا خالق ہے

اسی طرح اپنے عدل سے معصیت کا بھی خالق ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے
قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا"
(النساء: ۷۸)

ترجمہ : "تم فرمادو سب اللہ کی طرف سے ہے۔ تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ کوئی بات سمجھتے معلوم نہیں ہوتے"

اللہ تعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

ترجمہ : اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے (القرآن)

ابن عطاء" فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان بدعتیوں کا قلع قمع کرنے والی ہے جو یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ "طاعت" کا تو خالق ہے لیکن معصیت کا خالق نہیں اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ

ترجمہ : اور اللہ تعالیٰ نے ہی تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو (القرآن)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امر' قضا کا غیر ہے۔ اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (النساء ۷۹)

ترجمہ : اے سننے والے! تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تفصیل لوگوں کو ادب سکھانے کیلئے ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم محاسن اور خوبیوں کی نسبت اس کی طرف کریں کیونکہ محاسن اور خوبیاں اسی ذات کو زیبا ہیں اور برائیوں کو اپنی طرف منسوب کریں کیونکہ یہی ہمارے لیے مناسب ہے اور یہی حسنِ ادب کا تقاضا ہے جس طرح کہ

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا (الکہف : ۷۹)

ترجمہ : میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کردوں (کنزالایمان)

ارشاد خداوندی ہے

فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا (الکہف : ۸۲)

ترجمہ : تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں (کنزالایمان)

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فرمایایا

اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ (الشعراء : ۸۰)

ترجمہ : جب میں بیمار ہوتا ہوں وہی مجھے شفا دیتا ہے (القرآن)

پس مرض کی نسبت اپنی ذات کیطرف کی اور شفا کی نسبت اپنے رب کی طرف حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی دونوں کا خالق ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ

ترجمہ : "اے سننے والے! تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے اور برائی تیری اپنی طرف سے"

اس کا معنی یہ ہے کہ تخلیق اور ایجاد کے اعتبار سے اس کی نسبت اللہ کی طرف ہے اور اضافت اور اسناد کے اعتبار سے اس کی نسبت تمہاری ذات کی طرف ہے۔

اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے اَلْخَیْرُ بِیَدَیْکَ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْکَ

ترجمہ : خیر تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر کی نسبت تیری طرف نہیں۔

نبی کریم ﷺ بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی خیر و شر اور نفع و نقصان کا مالک ہے۔ لیکن ادباً شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی۔

مقامات سالکین

ارشاد باری تعالیٰ ہے یَا اَہْلَ یَثْرِبَ لَامَقَامَ لَکُمْ فَارْجِعُوْا (الاحزاب: ۱۳)

ترجمہ: "اے مدینہ والو! یہاں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں لوٹ جاؤ"

نیز ارشاد خداوندی ہے وَاِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَہٰی (النجم: ۴۲)

ترجمہ: اور یہ کہ تمہارے رب کیطرف ہی انتہاء ہے (کنزالایمان)

امام شعرانی فرماتے ہیں "عبدِ مخلص کے نزدیک ان تمام مقامات کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس لیے اعمال صالح اور سیئہ کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی کیونکہ جو مقام عبودیت اختیار کرلیتا ہے اور ظاہرا" اور باطناً عجزو انکساری کا اظہار کرتا ہے اور اپنے تمام تر احوال میں اپنے آپ کو کوتاہ سمجھتا ہے۔ اس کو ان بیماریوں کے علاج کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنے سب سے اعلیٰ احوال کو بھی رب ذوالجلال کے سامنے حیثیت نہ دیتے ہوئے نقص خیال کرتا ہے اس کے نزدیک سب سے اعلیٰ مرتبہ اس بندے کا ہوتا ہے جس کا کوئی مقام ہو اور وہ خیال کرتا ہے کہ اصحاب مقامات کی ہمتیں غایات میں مقید اور منحصر ہو جاتی ہیں اور جب وہ ان غایات تک پہنچتے ہیں تو ان کے دلوں میں نئی غایات پیدا ہو جاتی ہیں وہ اسی طرح ان غایات کے حصول میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن عبدِ مخلص کا یہ حال نہیں ہوتا کیونکہ اسے ذاتِ باری تعالیٰ کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے جب انہیں یہ مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ مقامات کی تلاش میں نہیں پھرتا بلکہ ہمیشہ مشاہدۂ حق میں مستغرق رہتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں ہوتا ہے اور

اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی عنایات سے اس کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ (الحدید : ۴)

ترجمہ: اور وہ تمہارے ساتھ ہی ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ (القرآن)

امام شعرانی اپنے نفس کی حالت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں ان مقامات کو کیوں نہ حاصل کرلوں۔ جن پر اولیاء عظام فائز ہوتے ہیں اور میں نے اپنی موجودہ حالت کو حقیر سمجھا اور میری طبیعت مکدر ہوگئی کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہ ہونے کے مترادف ہے اس لئے مجھے سوء خاتمہ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خوف لاحق ہوا۔ اور میں اسی حالت میں گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ ابھی میں فرستاد کے مقام پر ہی پہنچا تھا کہ مجھ پر نیم خوابی کی حالت طاری ہوگئی اور میں نے ہاتفِ غیبی کو سنا۔ اے بندے! اگر میں تجھ کو تمام 'کائنات ریت کے ذرات' نباتات اور ان کے اسماء اور ان کی عمریں' حیوانات اور ان کی عمریں اور مختلف نسلوں پر آگاہ کردوں اور تیرے لیے زمین و آسمان کے ملکوت اور جنت دوزخ اور مافیھا کو مکشوف کردوں' اور تیری دعا پر بارش نازل کردوں مردوں کو زندہ کردوں اور تجھے تمام کرامات عطا کردوں۔ جو میں نے اپنے مومن بندوں کو عطا کی ہیں تو پھر تیرے لیے مقام عبودیت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ اس کلام کے مکمل ہوتے ہی دنیا و آخرت کے مقامات اولیاء میں سے کسی کی خواہش باقی نہ رہی جس پر میں نے اللہ تعالیٰ کی اس عطا پر شکریہ ادا کیا۔

مخلص بندہ نہ تو کسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے اور نہ ہی خواہش: وہ ہمیشہ رضا کا دامن تھامے رکھتا ہے اور اپنے تمام تصرفات اور احوال میں پر سکون رہتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ گروہ مخلصین میں سے سب سے اعلیٰ مرتبہ (عبودیت) پر فائز بندے کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ کیونکہ مقام "صاحب مقام پر حاکم ہوتا ہے اور مرد تو وہ ہوتا ہے جو دوسروں پر حکمرانی کرے نہ کہ اس کے برعکس۔

مقام عبودیت سے محروم
کردینے والے
احوال و مقامات

اب ہم سالکین کے چند احوال ومقامات ذکر کرتے ہیں جو انہیں مرتبۂ عبودیت سے محروم کر دیتے ہیں۔

(1) بندے کا یہ خیال کرنا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے رجوع کر لیا ہے اس کو درجۂ عبودیت سے خالی کر دیتا ہے پس اسے چاہیے کہ وہ اس خیال سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع کرتے ہوئے توبہ کرے ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَنْ لَا يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖ وَكِيْلًا

ترجمہ: کہ تم اس کے علاوہ کسی کو کارساز نہ بناؤ (القرآن)

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں "جب بندہ عطا اور ھدیہ میں مشغول ہو جائے تو صاحب عطا سے محجوب ہو جاتا ہے"

شیخ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ توبہ کی حد یہ ہے کہ پوری کائنات میں اللہ کے سوا تیری نگاہ میں کوئی نہ ہو

(2) سلطنت ارض وسماء میں غور و فکر کرنا

امام شعرانی فرماتے ہیں یہ دراصل اس تعلق کی جستجو ہے جو بندے کا اپنے رب سے ہوتا ہے بندہ ہر جگہ بلا قید مکان اپنے مولیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے اور ہمیشہ اس کی

بارگاہ میں حاضر رہتا ہے اور دل و زبان کے ساتھ جب بھی کسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے تو بڑی عاجزی کے ساتھ۔ عبد مخلص عطا کو عدم عطا پر ترجیح نہیں دیتا۔ کیونکہ عطا کو عدم عطا پر اور سعادت کو شقاوت پر ترجیح نہ دینے کا مقصد یہ ہے۔ کہ وہ ابھی تک نفس کے دھوکہ میں مبتلا ہے۔ مع ھذا یہ اللہ تعالیٰ پر حکم صادر کرنے کے مترادف ہے بندے کو چاہیے کہ وہ پہلے اپنی ذات میں غور و فکر کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَفِي اَنفُسِكُمْ اَفَلاَ تُبْصِرُوْنَ (الذاریات:۲۱)

ترجمہ: اور تمہارے نفسوں میں کیا تم سوچتے نہیں ہو (القرآن)

شاید اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے لئے اپنی ذات میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ہم اپنی ذات کی حقیقت کا ادراک نہیں کرسکتے اور جب ہم اپنی ذات کی حقیقت کے ادراک ہی سے عاجز ہیں تو اس کی ذات کی معرفت تو اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ حادث قدیم کا احاطہ کیسے کرسکتا ہے (فانی، باقی ذات کی حقیقت سے کیسے پردہ اٹھا سکتا ہے) نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے

تَفَكَّرُوْا فِيْ خَلْقِ اللّٰهِ وَلاَ تَفَكَّرُوْا فِي اللّٰهِ فَتَهْلِكُوْا (البیہقی)

ترجمہ: ارشاد فرماتے ہیں "اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کرو اور اس کی ذات میں غور و فکر نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے (الحدیث)

ذاتِ خداوندی کا ادراک عقل و فکر سے نہیں کیا جاسکتا (کیونکہ ہر عقلی دلیل شک و شبہ سے خالی نہیں ہو سکتی۔) ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلاَ يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْماً (طٰہٰ:۱۱۰)

ترجمہ: اور ان کا علم اسے نہیں گھیر سکتا (کنز الایمان)

غایت معرفت، معرفت سے عجز ہے، جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ عجز سے مراد یہ ہے کہ عقلی دلیل کے ساتھ اللہ کی ذات پر ایسا حکم لگانا جو اس کی ذات کے شایان شان نہ ہو۔

ابوالحسن نوری ؒ سے دریافت کیا گیا کہ اللہ کی معرفت کیسے حاصل ہوئی فرمایا اللہ سے۔ عرض کی گئی عقل کے بارے میں کیا خیال ہے؟ فرمایا عقل تو خود عاجز ہے اس لیے وہ صرف عاجز چیز کی طرف اشارہ کر سکتی ہے جس نے عقل کے ذریعے اللہ کا علم حاصل کیا نہ کہ اس کے دلائل اور غور و تدبر سے۔ تو یہ چیز علم باللہ کے حصول میں منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا علم بھی تو اس حکیم دانا اور قابل صد ستائش کا عطا کردہ ہے۔

(3) **کیفیت حزن** عبد کسی چیز کی محرومی پر غمگین نہیں ہوتا کیونکہ اگر وہ چیز اس کی قسمت میں ہوتی ہے تو اسے مل جاتی اور جس وقت میں اللہ تعالیٰ کی طاعت مقدر ہوتی ہے اس وقت کا طاعت سے خالی ہونا ممکن نہیں اور جس وقت میں سستی و کاہلی مقدر رہے وہ اس سے خالی نہیں ہو سکتا۔ نیند کا وقت بیداری میں اور بیداری کا نیند میں تبدیل نہیں ہو سکتا اسی طرح غیر ولی ولی نہیں بن سکتا ایسا نہیں کہ جس چیز سے بندہ محروم ہوتا ہے وہ پہلے اس کی قسمت میں لکھی ہوئی تھی بعد ازاں اس سے محروم کر دیا گیا کہ وہ اس پر غمگین ہو بلکہ یہ تو ایک غیر حاصل چیز کا وہم ہے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ حزن توجہ الی اللہ میں خلل انداز ہوتا ہے حالانکہ بندہ کو حکم ہے وہ اپنی پوری سانس میں اللہ کی طرف متوجہ رہے اور اگر اسباب کی طرف توجہ ہو تو یہ سمجھے کہ یہ اسباب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کیے گئے ہیں جو انسان دنیا و آخرت کی کسی چیز پر ناراض ہوتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے برعکس اس کیلئے بہتر تھا تو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں مبتلا ہونے والا ہے کیونکہ کسی چیز پر غمگین ہونا اللہ تعالیٰ کے خلافِ ادب ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کو طلب کرتا ہے جو اس کے مقدر میں نہیں گویا یہ شخص اپنے نفس کے تابع ہے اگر وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے تابع ہوتا تو ہر حال میں راضی رہتا۔

امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جسے رضا اور موافقت کا نور

حاصل ہو جائے وہ کیسے غمگین ہو سکتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس ۶۲، ۶۳)

ترجمہ : سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ غم (کنزالایمان)

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ ہماری مذکورہ بحث سے امرالٰہی پر ترک عمل لازم نہیں آتا۔ امرو نہی کے بعد بندہ پر جب موافقت و مخالفت لازم آتی ہے تو وہ ازل سے ہی علم الٰہی میں ہوتی ہے اور بندے کیلئے ضروری ہے کہ اس سے جو بھی افعال سرزد ہوں اس کا خیال رکھے اور اگر تو اس میں امرالٰہی کی مخالفت ہو تو اس سے توبہ کرے اور مغفرت طلب کرے۔ اور اگر موافقت ہو تو اس کا شکریہ ادا کرے اور جس آدمی کو نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کل میسر لما خلق له ترجمہ:۔ ہر برا انسان کے لیے آسان کر دیا جاتا ہے جس کے لیے اس کی تخلیق ہوتی ہے) کا معنی سمجھ آجائے تو اسے یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے۔

(4) **خوف و رجاء** اس سے مراد وہ خوف ہے جو عظمت و جلال خداوندی سے پیدا ہوتا ہے ہر انسان اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کی پہچان اپنے رتبہ اور معرفت الٰہی کے مطابق کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "اَنَا اَعْرِفُكُمْ بِاللّٰهِ وَاَخْوَفُكُمْ مِنْهُ"

ترجمہ : میں تم سب سے زیادہ معرفتِ الٰہی رکھنے والا اور سب سے زیادہ خوفِ الٰہی رکھنے والا ہوں۔

امام قشیری ؒ فرماتے ہیں "ولی کی صفت یہ ہے کہ اسے کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا کیونکہ خوف مستقبل میں کسی ناپسندیدہ چیز کی بنا پر ہوتا ہے اور ولی اپنے حال میں اتنا مست ہوتا ہے کہ اسے اپنے مستقبل کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ اس لیے اسے کسی چیز کا خوف کیسے ہو؟ ولی کیلئے خوف کی طرح کوئی رجاء بھی نہیں ہوتی کیونکہ رجاء کسی محبوب چیز کے حصول یا کسی مکروہ چیز سے نجات ہے۔ عقاب کی

وجہ سے خوف رکھنا محبوبین کا خاصہ ہے اور عبد کامل کو اپنے مولیٰ سے کوئی حجاب نہیں ہوتا اور رضائے الٰہی کے سامنے اس کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی۔ تو وہ عقاب وغیرہ کے سبب سے کیسے ڈر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا یہ خوف اس گمان کی بنیاد پر ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے کسی ناپسندیدہ چیز کو دور کرے حالانکہ وہ اس چیز سے عاجز ہے اور ایسا سوچنا خلاف ادب بھی ہے۔

وہی رجاء مطلوب و مقصود ہے جو بطور اظہار عجز وانکساری ہو نہ کہ کسی چیز کے مطالبہ کیلئے ہو۔ اور یہ عارفین کی رجاء ہے کیونکہ یہ لوگ صاحب بصیرت ہوتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک کسی چیز کی رجاء مطلوب و مقصود نہیں ہوتی اور عطاء وحرمان ان کیلئے برابر ہوتے ہیں اور جو یہ مطالبہ کرے کہ ہر چیز اس کی امید کے مطابق واقع ہو تو یہ حق باری تعالیٰ کے مقابل آنے اور رب قدوس کی ملکیت کو مقید کرنے کے مترادف ہے اور اس میں سوء ادب بھی ہے کیونکہ وہ اس طرح غیر مستحق چیز کا مطالبہ کر رہا ہے

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں "یہ تو نفس کی رعونیت اور اس کی متابعت کرنا ہے حالانکہ مخلص بندے کا اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے کوئی ارادہ واختیار نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

وَرَبُّکَ يَخْلُقُ مَايَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَاكَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (القصص)

ترجمہ: اور تمہارا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے۔ ان کا کچھ اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک اور برتر ہے شرک سے۔

عارف باللہ ابن عطاء اللہ سکندری فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ نے بندے پر ترک تدبیر کو لازم کر دیا ہے۔ اور ہر چیز پر اختیار کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس چیز سے پاک ہے کہ بندہ اس کے اختیار میں شریک ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰی (النجم : ۲۴:۲۵)

ترجمہ : کیا آدمی کو مل جائے گا جس کی وہ تمنا کرے تو آخرت اور دنیا کا مالک اللہ ہی ہے۔ (کنزالایمان)

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختیار اور ارادہ کا دعوی کرتا ہے وہ حقیقتہً مشرک اور لسانِ حال سے ربوبیت کا مدعی ہے۔ اگرچہ زبان قال سے وہ اسے نامناسب خیال کرتا ہے۔ امام شعرانی کے نزدیک وہ اختیار جو ہر فعل کو لازم ہے وہ قابل مذمت نہیں۔ بلکہ یہ تو لوازمِ عبودیت میں سے ہے۔ کیونکہ امرالٰہی کو بجالانا اور منہیات سے اجتناب اسی وقت ممکن ہے جب دل فعل یا ترکِ فعل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بغیر اختیار کے کسی فعل کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے مگر اس شخص سے جو مجبور ہو اور جس کے اعضاء رعشہ کی وجہ سے کانپتے ہوں۔

قلب سلیم وہی ہوتا ہے جس کا اللہ کے سوا کسی سے تعلق نہ ہو۔ کسی بزرگ نے فرمایا "اگر مجھے اس چیز پر مجبور کیا جائے کہ میں اللہ کے سوا کسی چیز کو دیکھوں تو یہ میں نہیں کرسکتا کیونکہ اس کے ساتھ تو کوئی غیر ہے ہی نہیں۔

(5) بندے کا یہ خیال کرنا کہ وہ اہلِ تبتل میں سے ہے۔

اور تبتل کا معنی یہ ہے کہ بندہ تمام لوگوں سے منہ موڑ کر اللہ کا ہوجائے اس سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ بندہ مخصوص طریقے اور مخصوص حال کے ذریعے قرب و وصال کا طالب ہے۔ چاہے یہ حالت اور طریقہ خلوت ہو۔ بھوک، ہو یا کوئی اور۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ عبدِ کامل اپنی خلوت اور جلوت اور سکون وحرکت میں کسی چیز کا طالب نہیں ہوتا اور شیخ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ بعض اللہ والوں کے نزدیک طاعت اور اوراد کے ذریعے حصول قرب کا طالب ہونا بھی گناہ ہے کیونکہ مستقبل میں پیش آنے والے تمام امور لوح محفوظ میں لکھے

جا چکے ہیں۔ کسی کا تقویٰ اس میں زیادتی نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی کا فجور اس میں کمی کر سکتا ہے اس لئے اے بندے! اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق زندگی بسر کر۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ

ترجمہ: خبردار! اللہ کا دین ہی خالص ہے (القرآن)

اس سے عمل کے حکم کو ترک کرنا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اسے ترک کرنا صحیح نہیں پس بندے کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس سے سرزد ہونے والے افعال کا خیال رکھے اگر تو ان میں اللہ کے حکم کی مخالفت ہو تو توبہ و استغفار کرے۔ اور اگر اللہ کے حکم کی موافقت ہو تو اس کا شکر ادا کرے۔ اور جو نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد "کل میسر لما خلق لہ" کا معنی سمجھ گیا اس نے اس معنی کو پالیا۔ اور متبتل کا یہ دعوی کرنا کہ وہ اللہ کے سوا ہر چیز کو ترک کر کے اللہ کی طرف نکل گیا ہے۔ یہ محض جہالت ہے۔ کیونکہ اس کا یہ گمان ہے کہ عالم اللہ سے جدا اور اللہ عالم سے جدا ہے۔ اس لیے اپنے وہم و گمان کے مطابق فرار الیٰ اللہ کو اختیار کیا اس کا سبب یہ ہے کہ اس نے اشیاء کی حقیقت کو نہیں پایا۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ اگر اس نے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "ففروا الی اللہ" سن کر یہ بات کہی ہو۔ تو یہ صحیح ہے لیکن اس نے بعد والی آیت میں غور نہیں کیا۔ کیونکہ اسی آیت کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰہِ اِلٰہًا اٰخَرَ (الذاریات:۵۹)

ترجمہ: اور اللہ کے ساتھ معبود نہ ٹھہراؤ (کنزالایمان)

اگر وہ اس آیت میں غور کرتا تو جان لیتا کہ یہاں فرار سے مراد جہالت سے علم کی طرف فرار ہونا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

(6) بندے کا یہ خیال کرنا کہ وہ اہل استقامت سے ہے

بندہ استقامت کا دعوی کیسے کر سکتا ہے حالانکہ سید الانبیاء علیہ التحیہ والثناء ارشاد فرماتے ہیں "سورہ ھود اور اس کی مثل دوسروں سورتوں نے مجھ پر بڑھاپا طاری کر دیا۔" (الحدیث)

صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ ارشاد سورہ ھود کی آیت فاستقم کما امرت کی وجہ سے تھا۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ اگر بندے کو مقام استقامت حاصل ہو جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہوتا ہے کیونکہ بندے کو استقامت میں قائم کرنے والی وہی ذات ہے اس لیے بندے کو چاہیے کہ وہ اس قسم کا دعوی نہ کرے۔ تاکہ کہیں وہ اس سے محجوب نہ ہو جائے۔

امام ابوالحسن شاذلی" فرماتے ہیں کہ ولی کو ہرگز وصال نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ حیلہ و تدبیر اور ذاتی اختیارات میں مشغول ہو۔

(6) دنیا اور آخرت سے زہد اختیار کرنا۔

کیونکہ بندے کا اپنے آپ کو زاہد خیال کرنا اسے اپنے مولی سے محجوب کر دیتا ہے اس لیے بندۂ مخلص عطا اور عدم عطا میں اپنے مولیٰ پر نظر رکھتا ہے۔ اور کسی چیز کے ترک و اخذ کو اپنی ذات کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ کیونکہ جو چیز اس کی قسمت میں ہے اس میں زہد کرنا صحیح نہیں۔ اور جو چیز اس کی قسمت میں نہیں ہے اس سے اجتناب کیلئے زہد کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ چیز اس کے لیے ہے ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ غیر مطلوب چیز کی طرف زاہد کا دل مائل نہیں کرتا۔ اور اس کو تنگیٔ معیشت سے راہ دیتا ہے کیونکہ وہ اپنی حکمتوں کو خود ہی بہتر جاننے والا ہے شیخ شبلی" سے زہد کے متعلق سوال ہوا۔ تو فرمایا "حقیقت میں زہد کا کوئی وجود نہیں کیونکہ زاہد کا زہد یا تو ایسی چیز کے لئے ہوگا جو اس کے مقدر میں نہیں ہے تو اسے زہد نہیں کہہ سکتے۔ یا اس کا زہد ایسی چیز میں ہوگا جو اس کیلئے ہو تو وہ اپنے پاس

موجود چیز میں زہد کیسے کر سکتا ہے؟

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ زاہد کا دنیا کو ترک کرنا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ یہ دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ اور ترک دنیا قرب الٰہی کا ذریعہ اس وقت بن سکتا ہے۔ جب اس کو اس طریقہ پر ترک کیا جائے جو رب کے نزدیک محمود ہو۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّبَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الشعراء: ۸۸،۸۹)

ترجمہ: جس دن نہ مال کام آئے گا۔ نہ بیٹے مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔ (کنزالایمان)

بلکہ ترکِ دعویٰ ہی استقامت ہے خواہ مدعی اس بات کا خواہاں ہو یا ابطال کا۔ خواہ ظاہر ہو یا باطن۔

(7) بندے کا اپنے آپ کو متوکلین سے شمار کرنا

کیونکہ یہ مقام تو عوام کا ہے۔ اور عبدِ مخلص کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام امور کو اپنے ذمہ لے لیا ہے اور بندے کو اس میں کوئی اختیار نہیں ہے عبدِ مخلص توکل کے عام مرتبے سے بلند مرتبے پر فائز ہوتا ہے۔ اور مخلصین کا توکل یہ ہوتا ہے کہ انہیں یہ یقین حاصل ہو جائے کہ تمام امور اللہ کے سپرد ہیں اور ان کا یہ قول توکلنا علی اللہ حکم الٰہی کی پیروی اور خشوع و خضوع کیلئے ہوتا ہے وہ اپنے عجز کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم کسی چیز کے مالک نہیں۔ یہ لوگ حکم الٰہی کی بجا آوری میں مشغول ہو گئے۔ اور جن امور کا اللہ تعالیٰ ضامن تھا ان کی طرف انہوں نے توجہ نہ دی کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نفسوں کے سپرد نہیں کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے مراتب کو بلند کر دیا اور ان کے انوار کو مکمل کیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے فضل و احسان سے روز قیامت ان سے حساب ہی نہ لے جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے

سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِنْ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ (البذار)

ترجمہ: میری امت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں

گے (الحدیث)

اور اللہ تعالیٰ اس بندے سے حساب کیسے لے جس کی کوئی شئے ہی نہیں اور اسے اس کے فعل کے متعلق کیسے سوال کرے جس کا اپنا کوئی فعل ہی نہیں۔

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ وہ عوام الناس جن کو اس حقیقت سے شناسائی نہیں ہوتی، کہ تمام امور اللہ کیلئے ہی ہیں ان کا توکل یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے امور میں اللہ تعالیٰ کو وکیل بنا دیتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں یہ ان کی ملکیت ہے اور وہ ان اموال کے مالک ہیں کیونکہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اموالکم" (تمہارے مال) سنا انہیں یہ وہم ہوگیا۔ کہ اس سے مراد ملکیت کی نسبت ہے اور وہ یہ نہ جان سکے کہ یہ نسبت اسی طرح ہے جو "سرج الدابہ" (گھوڑے کی زین) اور "باب الدار" (گھر کا دروازہ) میں ہے ان متوکلین سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے کس چیز میں اپنے رب کو وکیل بنایا ہے اگر تو امر میں اس کو وکیل بنایا ہے تو وہ تمہارے وکیل بنانے سے قبل ہی مالک تھا۔

بندے کا یہ گمان کرنا کہ وہ اہل تسلیم میں سے ہے اور تسلیم کا معنی یہ ہے کہ ہر چیز کو اللہ کے سپرد کر دینا۔ اور بندے کے اس قول میں جہالت اور دعوٰی ہے وہ مخفی نہیں کیونکہ بندہ تو ظاہراً وباطناً کسی چیز کا مالک ہی نہیں وہ اس چیز کو کسی کے سپرد کیسے کر سکتا ہے۔ اور مخلصین نے جب یہ مشاہدہ کیا کہ ان کی ذوات وصفات اور تمام تر کائنات اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے وہ جیسے چاہتا ہے اس میں تصرف فرماتا ہے اور کوئی چیز بھی اس کے تصرف سے خارج نہیں ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں تو وہ اس وجہ سے اس دعوٰی سے سلامت رہے

بندے کا یہ گمان کرنا کہ وہ اہل رضا میں سے ہے۔ کیونکہ رضا، ارادے کی قسم ہے اور مخلص بندے کا کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی ارادہ نہیں ہوتا اس لیے وہ اپنی ذات کیلئے رضا اور سخط کو اختیار نہیں کرتا۔ اور وہ ایک شئے کو دوسری شئے پر اور ایک حال کو دوسرے حال پر ترجیح نہیں دیتا۔ بلکہ

وہ ہر حال میں اللہ سے راضی رہتا ہے۔ اگر وہ شرعاً معصیت ہو تو وہ اس سے اس حیثیت سے راضی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ فعل باری تعالیٰ ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ توبہ واستغفار بھی کرتا ہے کیونکہ اس میں اس کا کسب بھی شامل ہے کیونکہ اس نے حکیم خداوندی کی مخالفت کی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بندے کیلئے دلائل نصب کیے اور اپنے رسولوں کو بھیجا۔ اور عقل کی تخلیق کی۔ بندہ قضا سے تو راضی ہوتا ہے لیکن مقضی پر نہیں۔

امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ نہ تو عطا میں زیادتی کا طالب ہو اور نہ ہی مصائب میں کمی کا کسی عارف نے اس کا مطالبہ کیا تو ندا آئی اے بندے! ہم نے جو تیرے لیے منتخب کیا ہے وہ تیرے ذاتی اختیار سے بہتر ہے ہمارے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کیا کہ وہ مجھے نماز تہجد کی توفیق عطا فرمائے۔ تو مجھے تین دن تک فرائض سے محرومی کی سزا ملی پھر ندا آئی ہمارا بندہ بن جا تو آرام پالے گا۔ اگر ہم تمہیں سلائیں تو سو جا۔ اور اس حالت پر راضی رہ۔ اور اگر ہم قیامِ لیل کی توفیق دیں تو قیام کر۔ اور اس حالت پر شکر کر اور ان دونوں کے سوا تیرے لیے کوئی راستہ نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کا بندہ بن گیا تو مجھے راحت حاصل ہوگئی میرے لیے نیند اور بیداری برابر ہوگئی کیونکہ مجھے معلوم ہوگیا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ نے مقدر کر رکھی ہے اور اسی میں ہی میری بھلائی ہے۔

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں "اگر زیادتی خیر کی طلب عاجزی وانکساری کے طور پر ہو۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں جس طرح ارشاد خداوندی برزبان موسیٰ علیہ السلام ہے! رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ" (القصص: ۲۴)

ترجمہ: اے میرے رب! میں اس آنے کا، جو تو میرے لیے اتارے، محتاج ہوں۔ (کنزالایمان)

اس سے معلوم ہوا کہ بندے کو صرف اسی پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے جو کچھ اس کے پاس ہو کہ وہ غنا کا اظہار کرے۔ اس طرح وہ اپنی حدود سے فارغ ہو جائے گا رب کے علاوہ کسی اور منعم کو نہیں پائے گا۔ بندہ ہر حال میں رب ذوالجلال کا محتاج ہوتا ہے چاہے وہ اقرار کرے یا انکار۔ اگر اختیارا" سوال نہ کرے تو اضطرارا" سوال کرنا پڑتا ہے

عارف باللہ ابن عطاء اللہ سکندری ؒ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ سے طلب مقامِ عبودیت کے منافی نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو مقامِ عبودیت میں کمال حاصل تھا۔ اس کے باوجود بھی آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دامنِ طلب پھیلایا۔ اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا عبودیت کے منافی نہیں اگر آپ یہ کہیں کہ طلب مقامِ عبودیت کے منافی نہیں ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگارہ سے طلب کیوں نہیں کیا تھا جب آپ کو منجنیق میں رکھا گیا۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی۔ کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے تجھ سے کوئی حاجت نہیں "مگر اللہ کی بارگارہ سے" حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ مجھ سے سوال کرو۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا "میرا مولیٰ میرے حال کو خوب جانتا ہے یہاں آپ نے بارگاہ خداوندی سے سوال نہیں کیا اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہ السلام ہر مقام پر وہی عمل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں سمجھ عطا ہوتی ہے۔ اور یہ کام مناسب ہے۔ اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام یہی سمجھے کہ عدمِ سوال اور اللہ تعالیٰ کے علم پر اکتفا ہی کافی ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ جان لیا تھا کہ اس مقام پر فقر اور اظہارِ سوال ہی مطلوب ہے۔

اس لیے بارگاہ خداوندی میں دست سوال دراز کیا۔ کیونکہ ارشاد خداوندی ہے

"لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا"

ترجمہ : اور ہر ایک کے لئے توجہ کی ایک سمت ہے کہ وہ اسی کی طرف منہ کرتا ہے (کنزالایمان)

اور اکابر صوفیاء کے اقوال سے ان کی سلیس اور سادہ انداز میں توضیح کی گئی ہے۔ تصوف اگرچہ محض پڑھنے کا کام نہیں بلکہ کرنے کا کام ہے۔ لیکن اس قسم کی مفید اور مؤثر تحریریں جذبہ و عمل کو مہمیز تو ضرور دیتی ہیں۔

کتاب کے مصنف ڈاکٹر عبدالرحمن عمیرہ مصر کے ایک فاضل استاد ہیں۔ اور مترجم محمد اکرم الازہری' الازہر شریف اور بھیرہ شریف کے مے کدہ محبت سے فیض یافتہ ہیں۔ علوم اسلامیہ سے دلچسپی اور مہارت کے ساتھ ساتھ روحانی اقدار سے بھی گہرا شغف رکھتے ہیں۔ آپ عصر حاضر کی نامور اور معتبر علمی اور روحانی شخصیت حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری سے نسبت بیعت و تلمذ سے مشرف ہیں۔ روحانیت اور علمیت سے ان کا یہ شغف اور زاویہ کی فنی معاونت' امید ہے کہ آئندہ بھی مفید اور موثر تحریروں کی صورت میں سامنے آتی رہے گی۔

زاویہ نشین
(محمد رضاءالدین صدیقی)

